جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

SCIN

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

۱۲۸

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

نومبر ۱۹۹۴ء

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ - نومبر ۱۹۹۴ء شمارہ : ۲

مدیر

سیّد محمود میاں

مُدرّس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے . . . . سالانہ ۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ... ؍؍ ۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش . . . . . ؍؍ ۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ . . . . . . ؍؍ ۱۶ ڈالر
برطانیہ . . . . ؍؍ ۱۷ ڈالر

◯ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰، فون ۲۰۱۰۸۶ - ۲۰۹۰۵۲

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ―――――――――――― ۳
درسِ قرآن ―――― حضرت مولانا قاری محمدؒ طیبؒ ―――― ۸
درسِ حدیث ―――― حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ―――― ۱۷
سیرۃِ مُبارکہ ―――― حضرت اقدس مولانا سیّد محمدؒ میاںؒ ―――― ۲۲
گردیز کے محاذ پر ―――― ڈاکٹر محمود عارف صاحب ―――― ۲۸
دارالافتاء ―――― مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ―――― ۳۷
"اصلاح مفاہیم" پر ایک نظر ―――― ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ―――― ۳۹
تائیدی دستخط سے رجوع ―――――――――― ۵۹
حاصلِ مطالعہ ―――― مولانا نعیم الدّین صاحب ―――― ۶۱

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی۔ مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یو۔ پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

اما بعد، ملک میں آئے دن پیش آنے والے ناخوشگوار واقعات و حوادث کے اگرچہ بہت سے لوگ عادی ہو چکے ہیں، مگر پھر بھی دردمند و محبِّ وطن افراد کا ایک معتدبہ طبقہ فکرمند احساس لیے آج بھی زندہ ہے جو ملکی ترقی کے مسلسل زوال انسانی توانائیوں اور قدرتی وسائل کی ناقدری پر جس کرب و حسرت کا شکار ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ انسانی صلاحیّت کی بے قدری کا ایک انتہائی افسوسناک واقعہ قومی جرائد میں گزشتہ دنوں نظر سے گزرا۔

"پاکستان کے ایک سائنسدان کا قدرتی یورینیم ۲۳۵ کے حصول کا انتہائی سہل فارمولا وزارت صنعت کی بیوروکریٹس کی شوخی کی نظر ہو گیا۔ جوہری طبیعات کے ماہر سائنسدان ڈاکٹر قادر حسین نے حکومتِ پاکستان کے پیٹنٹ آفس کو ۱۹۷۸ء میں درخواست دی کہ اُن کی ایجاد کے پیٹنٹ حقوق اُن کو جاری کیے جائیں۔ آفس نے یہ درخواست منظور کر کے اُن کے حق میں پیٹنٹ جاری کرنیکا حکم دے دیا ہے لیکن وزارت صنعت نے معاملہ کو گیارہ سال (۱۹۹۲ء) تک اُلجھائے رکھا۔ آخرکار ڈاکٹر قادر حسین نے اپنا منفرد فارمولا یو ایس اے پیٹنٹ اینڈ ٹریڈ مارک کو پیش کیا۔ امریکی ادارے نے ایک ہی مرحلہ میں علیحدہ ہو جانے والے یورینیم ۲۳۵ کے انوکھے فارمولے کو فوراً تسلیم

کرتے ہوئے ۳۰ اگست ۱۹۹۴ء کو اُن کو اطلاع دی کہ آپ کے تمام دعوے درست ہیں فوری طور پر ڈاکٹر قادر حسین کو مختلف اعزازات سے نوازا گیا اور یوں اُن کی صلاحیتوں کی ایک کافر حکومت کی طرف سے قدر دانی کے اس عمل نے پوری اُمتِ مسلمہ کا تمسخر اُڑایا۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون"۔

مگر ہمارے علم کے مطابق یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے اس سے قبل امریکہ کے پیڑیاٹ میزائل کا فارمولا بھی جو پاکستانی ماہر کی اختراع تھا۔ ہمارے بیورو کریٹس کی بے توجہی کے سبب امریکہ کے ہاتھ لگا۔

اس موقع پر چند واقعات نقل کرنا مناسب ہو گا۔ ۷۰ء، ۷۱ء میں جبکہ میں جامعہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا ہمارے ایک ہم جماعت جناب (ریٹائرڈ) اسکواڈرن لیڈر احمد حسین صوفی بھی تھے بہت خوشنما، متشرع اور وجیہ انسان تھے روزانہ بلا ناغہ گرمی سردی تقریباً بارہ تیرہ میل کا فاصلہ طے کر کے چھاؤنی سے بذریعہ ویگن جامعہ آیا کرتے تھے اور عام طالب علم کی حیثیت سے ہمارے ساتھ اسباق میں شرکت کرتے اور بعد ظہر مجھے انگریزی پڑھاتے۔ کیونکہ تمام زندگی حلال مال کمایا اس لیے اس وقت تک نہ تو اپنی گاڑی تھی اور نہ گھر، کہا کرتے تھے اب اندازہ ہوتا ہے کہ تمام زندگی یونہی برباد کر دی اصل کام تو یہی ہے، مگر افسوس کہ بعد ازاں علیل ہو گئے اور تعلیمی سلسلہ ایک دو سال بھی جاری نہ رہ سکا۔ تقریباً تین چار برس ہوئے اُن کی وفات ہو چکی — اللّٰھم اغفرلنا ولہ، حضرت اقدس والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے نیاز مندانہ قلبی لگاؤ رکھتے تھے لہٰذا فوج کی ملازمت کے دوران پیش آنے والے اہم واقعات بڑے دُکھ کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سُنایا کرتے تھے۔ غالباً حضرت کی فرمائش پر چند اہم باتیں بعنوان "چند واقعات" اُنھوں نے حضرت کو تحریر کر کے دے دیں۔ مذکورہ بالا خبر پڑھ کر مجھے یہ تحریر یاد آ گئی مناسب معلوم ہوا کہ اداریہ میں شامل کر دی جائے۔ شاید کوئی اس سے سبق حاصل کرے اور ملک و قوم کی خیر کا سامان ہو۔

"چند واقعات"

(۱) ۱۹۴۹ء میں ایک متوسط درجہ کے صنعت کار مسٹر ایم - این - شیخ مرحوم

بمبئی سے منتقل ہو کر آتے تھے اور ملیر سٹی کراچی میں آباد ہوئے۔ وہ الیکروڈز ،
WELDING ELOCTRODES بناتے تھے اور الیکروڈز کے پیٹنٹ ہولڈر PATENT HOLDER بھی تھے۔ روپیہ اُن کے پاس کافی تھا، لیکن خام مال مثلاً لوہے کی تار MILD _ STEEL WIRE وغیرہ صرف گورنمنٹ کے وسیلہ سے حاصل ہو سکتی تھی۔ اس ضمن میں مسٹر غلام حسین ہدایت اللہ کو جو اُن دنوں گورنر سندھ تھے کو ملے۔ گورنر صاحب نے ذاتی اشتراک کی پیشکش کی اور کہا کہ میرا ٹیلیفون نمبر ففٹی ففٹی ہے اور واقعتاً ان کا ٹیلیفون نمبر ۵۰۵۰ تھا مسٹر شیخ نے الیکروڈز چھوڑ ڈیری فارم کھول لی۔

(۲) ۵۲-۱۹۵۱ء میں ایک ایئر فورس افسر نے گورنمنٹ کو لکھ کر دعوٰی پیش کیا کہ اُنکے پاس ایسے فارمولے ہیں جن پر تجربہ اور تجزیہ کر کے ہم مندرجہ ذیل چار قسم کے حربی آلہ جات کو مکمل کر سکتے ہیں۔

(A) ROCKET راکٹ

(B) SELF HOMED SHELLS گائیڈڈ میزائیل

(C) RADAR LONTROLLID WEAPONS ایک قسم کا گائیڈڈ میزائیل

(D) FOOL-PROOF جہاز گرانے کا خاص نظام جس میں نشانہ کم سے کم خطا ہوتا ہے
ANTI AIRCRAFT LIGHTING DEVICE

اس سلسلہ میں مسٹر سکندر مرزا سے جو ان دنوں سیکرٹری دفاع تھے ملاقات ہوئی ایک ماہر انگریز کو بلایا گیا۔ عملی مظاہرہ بھی ہوا، لیکن حکومت کے پاس کوئی ایسا تحقیقاتی ادارہ موجود نہ تھا جو اس امر کو آگے بڑھاتا۔ چونکہ ۲۵ سال کا عرصہ گزر چکا ہے وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اب فائلیں موجود ہوں گی کہ نہیں، البتہ ایئر مارشل اصغر خان کو جو اس وقت ایئر ہیڈ کوارٹرز میں ایڈمنسٹریشن کے سربراہ تھے۔ اس بات کا علم ہے۔

(۳) انہی دنوں میں نظامتِ دفاع میں اس افسر کو طلب کیا گیا اور گروپ کیپٹن سعید الدین ڈپٹی سیکرٹری سے انٹرویو ہوا۔ پست ہمتی کی باتیں ہونے لگیں کہا گیا کہ جو چیزیں انگریز

اور امریکن نہیں کر پاتے ہم کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس افسر نے جواب دیا کہ اگر اِدھر طبیعت نہیں آتی تو ٹینک ہی بنا ڈالو۔ اگر CATAPILLOR TRACTOR ڈیموں اور پلوں کی تعمیرات میں کام آنے والی ٹینک نما مشین پر GUN ماؤنٹ کر دی جائے اور اِرد گرد آرمر پلیٹ ARMARE PLATE چڑھا دی جائے تو ٹریکٹر بن جاتا ہے اس افسر نے یہ بھی بتا دیا کہ یہ طریقہ کار اُس نے رُوسیوں سے چُرایا ہے۔ پچھلی عالمی جنگ میں جب جرمنوں نے رُوس پر حملہ کیا تو رُوسیوں نے بارڈر پر ٹریکٹر جمع کر دیے اور راتوں رات اُن کو ٹینکوں میں تبدیل کر دیا۔ یہ ٹینک اس وقت کی قیمتوں کے مطابق کوئی آٹھ ہزار روپیہ کا پڑتا۔ یہ بات بھی مذاق میں اُڑا دی۔

(۴) ۶۰-۱۹۵۹ء میں ایک پختون نے میری وساطت سے حکومت سے تحریری اجازت طلب کی کہ ہم سونے کی کان پر کُھدائی شروع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کان قبائلی علاقہ میں تھی اس کے حدود اربعہ اور جغرافیائی تفصیلات کے متعلق نقشہ جات بھی داخل کر دیئے لیکن اجازت نہ ملی۔ وہ پختون تو مر چکا ہوگا۔ اُس وقت اُس کی عمر اسّی سال کے لگ بھگ تھی۔ اُس کا لڑکا شاید پشاور میں تلاش ہو سکے۔ مزید شاید معدنیات کے محکمہ میں دستاویز مل جائیں۔

از اسکوارڈن لیڈر احمد حسین صوفی (مرحوم)

ان چند واقعات کو پڑھ کر یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے ملک کی نوکر شاہی جو اعلیٰ عہدوں پر فائز ہے کسی غلط فہمی یا نادانی کی وجہ سے ان سنگین غلطیوں کی مرتکب نہیں ہو رہی ہے بلکہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے نہ صرف انسانی توانائیوں اور صلاحیتوں کی ناقدری کی جا رہی ہے بلکہ انتہائی سارے انداز میں پاکستان کے مسلم سائنسدانوں کی یہ صلاحیتیں اغیار کفار کے سپرد کر دی جاتی ہیں اور قطعی طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان واقعات کے ذمّہ دار حضرات کی ملک سے غداری ایک یقینی امر ہے اُس دور کے اور موجودہ دور کے حکمران بھی اس جرم میں حصّہ دار بن جاتے ہیں، جبکہ وہ ان واقعات کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں! ہمارے اس نتیجہ کی تائید فوج کے سابق سربراہ

جناب مرزا اسلم بیگ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو ۲۴ر اکتوبر ۹۴ء کو روزنامہ جنگ میں شائع ہوا جس میں اُنھوں نے کہا کہ

"امریکی پاکستان کے دفتر خارجہ وزارت اقتصادی اُمور سمیت دفاع اور ٹیکنالوجی کے محکموں میں اپنی جڑیں مضبوطی سے پھیلا چکے ہیں اور امریکیوں نے ۱۹۶۵ء میں معمولی سے قبضہ کے بعد ۸۲ - ۱۹۸۱ء میں پاکستانی بیوروکریسی کے ساتھ بڑی کامیابی سے اپنے تعلقات بحال کر لیے تھے۔ جنرل اسلم بیگ نے دعوٰی کیا کہ سابق صدر غلام اسحاق خان اور سابق وزیرِ اعظم نواز شریف نے خلیج کی جنگ کے دوران امریکہ سے مل کر سازشیں کیں ...... نواز شریف کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ اُن کی اس پالیسی سے اُمّتِ مسلمہ کو کتنا نقصان ہوا ہے ..... جنرل بیگ نے کہا کہ آپ کو میری طرح کے مشکل پسند افراد چند ہی ملیں گے جو اہم افراد کی سوچ کے خلاف کھل کر بات کرے۔"

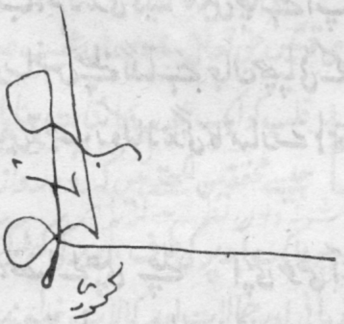

(قسط: ۱۹)

درسِ قرآن حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
تبویب و تزئین: مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

انسان خود اپنی ذات میں غور کرے

لیکن خود تم اپنے اُوپر غور کرو تم کہاں سے آئے؟ آیا تمہیں اللہ نے بنایا یا خود بخود بن گئے تھے تم؟ ظاہر ہے کہ خود بخود تو بنے نہیں اگر خود بخود بن جاتے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وجود تمہارے ہاتھ میں ہے تو اگر وجود ہاتھ میں تھا تو یہ موت کیوں قبول کرتے ہو جبراً؟ کس کا جی چاہتا ہے کہ مر جائے تو اگر وجود ہاتھ میں ہے تو ملک الموت کو واپس کر دیا کرو کہ صاحب ہم زندگی دینا نہیں چاہتے آپ کو خود ہمارے قبضے میں تھی وہاں تو چُپ پڑ رہتے ہو وہاں تو سانس چلنے لگتا ہے جان چھپائی کے لیے تیار ہو جاتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں تو جب روکنا زندگی کا تمہارے ہاتھ میں نہیں تو لانا بھی زندگی کا تمہارے ہاتھ میں نہیں۔ ؎

؎ لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے　　　اپنی خوشی آئے نہ اپنی خوشی چلے

جب ہم پیدا ہو رہے تھے تو ہماری درخواست نہیں تھی خواہش نہیں تھی دینا تھا جان اللہ کو تو لینی پڑی مجبوراً آنا پڑا، چاہے ہمارا جی چاہتا تھا آنے کو یا نہیں چاہتا تھا اور جب لے جائیں گے تو جانا پڑے گا چاہے ہمارا جی چاہے نہ چاہے تو وجود تو آپ کا یہ ہے کہ نہ حیات پہ قبضہ نہ اپنے وجود پہ قبضہ اور دعوے یہ ہیں کہ اللہ کے احکام میں من میخ نکالنا کہ ہم یُوں کر ڈالیں گے اور قدرت کے چیلنجوں کو منظور کرتے ہیں بعضے عقل کے اندھے، یہ جو درمیان میں بہت سے سیلاب آئے اور اُنھوں نے بستیوں کو غرقاب کیا ہزاروں آدمی مارے گئے تو بعض عقل کے اندھوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے بند لگانے شروع کر دیے ہیں اور قدرت کے چیلنج کو ہم نے قبول کر لیا ہے ہم مقابلے

کے لیے تیار رہیں اور جو بند باندھے اگلے ہی سال اس میں شق واقع ہو گئے دراڑ واقع ہو گئے پھر مرمت شروع ہوتی اور خدا جانے کب تک وہ مرمت کام دے گی۔ خدا نخواستہ وہ پھٹ پھٹا گئے تو پھر ساری بستیاں اور جلدی غرق ہوں گی۔

بعض عقل کے اندھے قدرت کی پکار کو چیلنج سمجھ کر مقابلہ کی ٹھانتے ہیں

بعض عقل کے نابینا وہ بھی ہیں کہ وہ قدرت کی پکار کو چیلنج سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہم نے چیلنج مان لیا ہم مقابلہ کریں گے اور طاقت یہ ہے کہ اپنی زندگی بھی اپنے ہاتھ میں نہیں اپنی قوت بھی اپنے ہاتھ میں نہیں تو فرماتے ہیں قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ جن قویٰ پر تم نازاں ہو آنکھ یہ ناک یہ یہ دینے والا کون ہے اَنْشَاَکُمْ وہی ہے جس نے تمھیں ابتداء میں بنایا اور از سرِ نو بنایا اور وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ تم میں سننے کی طاقت رکھی کہ کچھ معلومات سن کر حاصل کرو، آنکھوں میں دیکھنے کی طاقت رکھی کہ کچھ معلومات دیکھ دیکھ کر حاصل کرو، دِل میں بوجھنے کی طاقت رکھی تاکہ غور و فکر سے کچھ معلومات میں اضافہ کرو یہ ساری قوتیں حق تعالیٰ نے دیں اور عجیب صنّاعی کے ساتھ دیں۔

انسانی دل ایک عجیب کائنات ہے

قلب کو ایک عجیب کائنات بنایا اللہ نے اس قلب کے اندر جیسے محققین لکھتے ہیں کہ دو دروازے ہیں قلب کے ایک نیچے کی طرف کھڑکی کھلی ہوتی ہے قلب میں ایک اُوپر کی طرف، اُوپر کی کھڑکی کھلتی ہے تو عالَمِ غیب کے مشاہدات کرتا ہے۔ وحی اور الہامِ ربانی اور جمالات اور کمالاتِ خداوندی کو دیکھتا ہے عالَمِ غیب منکشف ہوتا ہے اور نیچے کی کھڑکی سے دیکھتا ہے تو محسوسات نظر پڑتے ہیں، دریا اور پہاڑ اور جنگل، تو محسوسات کو نیچے کے سوراخ سے دیکھتا ہے اور مغیبات کو اُوپر کے سوراخ سے دیکھتا ہے قلب ایک ہی ہے، لیکن اس میں بینائیاں دو قسم کی رکھیں ایک اُوپر کے دیکھنے کی ایک نیچے کے دیکھنے کی، ایک ظاہری چیزیں دیکھنے کی ایک باطنی چیزیں دیکھنے کی، ظاہری چیزوں کے دیکھنے کے لیے آلات بنائے قلب کے لیے، آنکھ بنائی تاکہ شکلیں اور صورتیں دیکھے، کان بنائے تاکہ آوازوں کو سنے، زبانیں دیں تاکہ ذائقوں کو چکھے، ناک دی تاکہ خوشبو اور بدبو کو سونگھے، تو شَے کی صورت بھی دیکھتا ہے۔ انسان، شَے کی خوشبو بدبو کا بھی ادراک کرتا ہے شَے کی آوازیں بھی سنتا ہے۔ آوازیں

سُن کر بچاؤ بھی کرتا ہے۔ اپنے کام بھی نکالتا ہے۔ اگر شیر کی دھاڑ سُنی تو بچنے کی کوشش کرتا تو کان ذریعہ بنتے ہیں بچنے کا اور اگر آواز سُن لی کسی اچھے خوشنما پرندے کی تو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے کہ گھر کی زینت بناؤں گا تو کان ذریعہ بنا منافع حاصل کرنے کا بھی اور مَضارّ سے مضرتوں سے بچنے کا بھی۔ اسی طرح سے آنکھ ذریعہ بنتی ہے چیزوں کے لینے کا بھی اور چیزوں سے بچنے کا بھی۔ اگر صُورت دیکھ لے سانپ کی تو بھاگتا ہے آدمی، اگر صُورت دیکھ لی کسی اچھے خوشنما پتھر کی سونے کی چاندی کی دوڑتا ہے اس کے اُٹھانے کے لیے اگر آنکھ نہ ہوتی تو نہ نفع حاصل کر سکتا نہ مضرت سے بچ سکتا تو آنکھ کو اللہ نے ذریعہ بنایا دُور سے دیکھ کر منافع حاصل کرنے کا اور مضرتوں سے بچنے کا۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ سامنے نہیں ہیں اُن کی آواز بھی نہیں آتی، لیکن اُن کی بدبو اور خوشبو سے سمجھ لیتا ہے کہ یہاں فلاں چیز موجود ہے۔ شیر کے مُنہ میں بدبو ہوتی ہے اگر وہ سامنے بھی نہیں تو اُس کے مُنہ کی بدبو دُور تک سُونگھ سکتا ہے آدمی، سمجھ لیتا ہے کہ یہاں شیر موجود ہے بھاگتا ہے وہاں سے اور اگر دوسرا جانور ہے اس کی بو آئی اور وہ استعمال کا ہے تو شکار کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ناک ذریعہ بنتی ہے بہت سی چیزوں سے بچنے کا اور بہت سی چیزوں کے حاصل کرنے کا، اسی طرح سے ذائقہ بعضی چیزوں کو چکھ کر آدمی محسوس کرتا ہے کہ یہ مضر ہوں گی اس کا ذائقہ بتلا رہا ہے کہ یہ مضر ہے بعض ذائقے ہیں جو فرحت بخشتے ہیں اُنھیں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

آنکھ، ناک، کان وغیرہ آلات ہیں اور ادراک کرنا دل کا کام ہے

تو آنکھ، ناک، کان، مُنہ یہ تمام چیزیں آلات ہیں مگر حقیقت میں ان ساری چیزوں کا ادراک کرنے والا قلب ہے یہ سب خدّام ہیں اس کے آنکھ حقیقتاً خود نہیں دیکھتی دل دیکھتا ہے یہ عینک چڑھی ہوئی ہے دل کے اُوپر آنکھ، آنکھ خود نہیں دیکھتی بسا اوقات آپ کسی بازار میں چلے جا رہے ہیں اور بڑے اعلیٰ اعلیٰ مناظر بڑی بہترین دکانیں اور روشنیاں ہیں گھر آ کر دوسرا کہتا ہے کہ بھئی بڑے بڑے تماشے تھے آج تو بازار میں آپ کہتے ہیں کہ مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں پڑا کہتا ہے میاں آنکھیں تو کھلی ہوئی تھیں اُفّوہ میں تو فلاں خیال میں غرق تھا مجھے تو کچھ نظر نہیں آیا معلوم ہوا آنکھ دیکھنے والا نہیں ہے دل دیکھنے والا ہے۔ جب دل متوجہ ہے دوسری

طرف کچھ نہیں نظر آتا۔ آپ کسی دھیان میں پڑے ہوئے ہیں اور زور سے گھنٹہ بجا آپ کو پتہ بھی نہ چلا تو دوسرے نے کہا کہ میاں تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ گھنٹہ جو بج گیا تھا اور تم نے افطار نہیں کیا وہ اتنا بڑا گولہ چھوٹا تھا اے ہے! مَیں نے تو سُنی ہی نہیں اے میاں! بڑے زور سے بجا تھا کہتے ہیں اُفوہ میں تو فلاں خیال میں لگا ہُوا تھا۔ مجھے تو دھیان ہی نہ آیا معلوم ہُوا کہ دل سنتا ہے کان نہیں سُنتا جب دِل متوجہ ہے تو کان سُنیں اور دِل متوجہ نہیں تو کھلے ہُوئے کان نہیں سُنتے، اسی طرح سے ذائقہ کی بات ہے۔ بعض دفعہ دھیان نہیں ہوتا تو نہ کھٹے کا ذائقہ آتا ہے نہ میٹھے کا

ایک واقعہ

مجھے ایک واقعہ یاد آیا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سالے تھے حاجی مقبول صاحب بڑے بزرگ لوگوں میں سے تھے تو حضرت ہی کے یہاں رہتے تھے وہ کھانا وانا سب وہیں تھا۔ اتّفاق سے دو تین دن سے روزانہ چنے کی دال پک رہی تھی تو اُنھوں نے بہن سے شکایت کی کہ روز چنے کی دال کوئی اور دال بھی پکا لیا کرو خیر اُنھوں نے اگلے دن ماش کی دال پکا لی کھانا کھانے کے بعد کہنے لگے آج بھی وہی چنے کی دال پکائی تھی اُنھوں نے کمر میں دو ہتڑ ماری، اندھے یہ دال چنے کی ہے ماش کی کہا اخوہ مجھے وہی دھیان رہا جو تین دن سے تھا اسی دھیان میں کھاتا رہا مجھے وہی مزا آتا رہا جیسے چنے کا تھا معلوم ہوتا ہے زبان نہیں چکھتی بلکہ دل ہے چکھنے والا اگر دل متوجہ ہو جائے تو آدمی متوجہ ہو کر سب کچھ چکھ لیتا ہے۔ دل متوجہ نہ ہو نہیں چکھتا۔ تو اصل میں دیکھنے والا بھی دل ہے سُننے والا بھی دل ہے۔ چکھنے والا بھی دل ہے اور صُورتیں دیکھنے والا بھی دل ہے تو دل عجیب چیز نکلا وہ ان تمام خدام کو استعمال کرتا ہے محسوسات کو دیکھتا ہے۔

دِل اشیاء کا صرف ادراک ہی نہیں کرتا بلکہ اُنھیں اپنے اندر محفوظ بھی کر لیتا ہے

اچھّا اب اس کے بعد پھر ایک عجیب کائنات دِل کی یہ بھی ہے کہ ان ساری چیزوں کے ذریعے اُس نے دیکھ بھی لیا، سُن بھی لیا، چکھ بھی لیا چکھنے کے بعد وہ ذائقہ غائب ہو جانا چاہیے تھا دیکھنے کے بعد صورت غائب ہو جانی چاہیے تھی لیکن دل نے اتنا قبول کیا کہ اب وہ شئ سامنے نہیں ہے لیکن ذرا آپ نے گردن جھکائی

تو شئے دل کے سامنے ہے یہ کہاں موجود ہے یہ آنکھ میں تو موجود نہیں اگر آنکھ میں ہوتی موجود تو دوسری چیز دیکھنے کے قابل نہ رہتے وہ چیزیں ہی ٹکراتی رہتیں تو آنکھ کہاں سے دیکھتی آنکھ دیکھ کر فارغ ہوئی قلب نے فوٹو اُتار لیا اور قلب کے اندر وہ نقشہ موجود ہے اب جب چاہیں گے آپ دیکھ لیں گے کسی شاعر نے کہا ہے ناں کہ

؎ دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار اک ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

بس جہاں مراقبہ کیا اور سامنے موجود چیز جہاں غور کیا چیز موجود، تو دل فقط دیکھتا ہی نہیں بلکہ نگلتا بھی ہے ان چیزوں کو دیکھنے میں تو یہ ہے کہ دیکھ لیا باہر باہر کی چیز ہے، دیکھ کر اس کی صورت کو نگلتا ہے اپنے اندر اور اس کا نقشہ کھینچ لیتا ہے۔ فوٹو لے لیتا ہے تو دل ایک بڑا ازبردست کیمرہ بھی ہے۔ تو اس میں صورتیں بھی موجود، ذائقے جو چکھے تھے وہ بھی موجود آپ کہا کرتے ہیں کہ فلاں صاحب کے یہاں میں نے ایسا عجیب وغریب سالن کھایا کہ آج تک ذائقہ میری زبان میں موجود ہے وہ زبان میں نہیں وہ دل میں موجود ہے ذائقہ، اگر زبان میں وہ ذائقہ ہوتا تو دوسرا ذائقہ مل ملا کے کوئی ذائقہ باقی نہ رہتا خلط ملط ہوجاتا قصہ، تو زبان چکھ کر الگ ہوئی اس نے پہنچا دیا قلب کے اندر تو یہ درحقیقت ہرکارے اور خدام ہیں جو صورتیں، آوازیں، ذائقے بٹور کر قلب کے سامنے پیش کر دیتے ہیں گویا یہ ایک سی آئی ڈی ہے کہ جس کے ذریعے سے قلب تمام چیزوں کے احوال معلوم کرتا ہے صورتوں کے بھی آوازوں کے بھی، ذائقوں کے بھی، خوشبو بدبو کے بھی۔ قلب ہے حامل

دل نے پانچ دروازے حواسِ ظاہرہ کے رکھے اور پانچ دروازے حواسِ باطنہ کے	تو قلب ایک عجیب کائنات نکلی تو اس نے پانچ دروازے رکھے حواسِ خمسہ کے اُن کے ذریعہ محسوسات کو دیکھ کر اپنے اندر لے لیتا

ہے اور پانچ ہی پھر حواس ہیں باطنی، قوتِ وہم اور قوتِ خیال اور قوتِ متصرفہ اور قوتِ عاقلہ تو ان کے ذریعے سے وہ غیبی چیزیں دیکھتا ہے۔ علوم میں جب غور کرتا ہے تو نئے نئے علوم اس کے سامنے منکشف ہوتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ بدن کے اندر نہیں ہے روح میں ہے اور روح کا کنکشن ہے روحِ اعظم سے تو وہاں سے علوم اُترتے ہیں تو قلب ہی کے اندر یہ خاصہ ہے کہ

جب غیب کی طرف متوجہ ہو تو علوم اور کمالات لیتا ہے وہاں سے تو عجیب کائنات اللہ نے بنائی، ہے تو اتنی سی یہ ڈبیہ گاجر کی شکل کی سینے کے بائیں جانب پڑی ہوئی ہے لیکن ایک بطن اسکا وہ ہے جو اُوپر کی چیزیں منکشف ہے اور ایک بطن وہ ہے جو نیچے کی چیزیں منکشف، تو اگر انسان اُوپر کے دروازے کو بند کر دے اور صرف نیچے کی چیزیں دیکھے نہ علم ہو نہ کمال ہو نہ اللہ کا اعتقاد ہو نہ وہاں سے علوم ہوں تو وہ اندھا ایسے ہی کام کرے گا جس کی شکایت کی جا رہی ہے کہ وہ آنکھیں بھی بند کر لیں ہاتھ بھی سکوڑ لیے کچھ بھی نہیں کر رہا اور ایک وہ لوگ ہیں جو محسوسات کو بھی دیکھتے ہیں اور ساتھ میں مغیبات کے علوم بھی اُن کے قلب میں ہیں انبیاء علیہم السلام کے طفیل سے وہ اُن علوم کے ذریعہ سے ان ساری محسوسات کو اپنی اپنی حد پر رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس محسوس کو کہاں استعمال کرنا چاہیے اور کہاں نہیں، کہاں جائز ہے کہاں ناجائز، کہاں حرام ہے کہاں حلال

حرام و حلال کی تمیز علمِ غیب (وحی) سے ہوتی ہے۔

تو حرام و حلال کی تمیز علمِ غیب سے ہوتی ہے ان محسوسات سے نہیں ہوتی اور وہ سمجھنے والا صرف قلب ہے آنکھ، ناک، کان یہ حق اور باطل دونوں چیزیں قبول کرتے ہیں آنکھ اگر آپ جائز چہرے پر ڈال لیں جب بھی لذت لے گا اور حرام چہرے پر ڈال لیں جب بھی آنکھ لذت لے گی، ہاتھ اگر آپ جائز مال پر ڈال لیں اُسے بھی گرفت کر لے گا اور اگر رشوت کا مال لیں تو وہ تجھے گا نہیں ہاتھ میں اسے بھی قبضہ کر لے گا۔ اسی طرح سے کان ہے اگر آپ کسی ناجائز آواز پر گانے بجانے پر متوجہ کر دیں اس سے بھی کانوں کو لذت ہو گی اور جائز آوازیں ہیں۔ تلاوتِ قرآن ہو رہی ہے۔ ذکر اللہ ہو رہا ہے۔ وہ بھی کان لے لیں گے تو آنکھ حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتی کان حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتا ہاتھ حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتا، لیکن قلب وہ ہے کہ وہ امتیاز کرتا ہے حق اور باطل میں، اگر غلط چیز آئی تو کھٹکتا رہے گا قلب جب تک کہ سچی بات سامنے نہیں آئے گی مطمئن نہیں ہوگا، ناجائز مال آئے گا۔ قلب کے سامنے کھٹکتا رہے گا، چور کے دل میں کبھی اطمینان نہیں ہوگا۔ ضمیر ملامت کرتا رہے گا کہ بُرا کیا چاہے نفس مانے نہ مانے تو قلب احساس کرتا ہے حرام کا بھی، حلال کا بھی، جائز کا بھی، ناجائز کا بھی، لیکن یہ کس طرح سے یہی علوم غیب

کے ذریعے وہی جو اُوپر سے ضمیر میں آ رہی ہے چیز۔ اُوپر سے اُس کے ذریعے سے حق اور باطل کا امتیاز ہوتا ہے صورتوں اور شکلوں میں امتیاز نہیں ہوتا حق و باطل کا، تو جن لوگوں نے اُوپر کا دروازہ بند کر دیا قلب کا نہ انبیاء کی بات سُنی نہ علمِ وحی کو قبول کیا نہ اللہ کے احکام کو لیا ان کے سامنے صرف محسوس زندگی رہ گئی۔ یہی اینٹ، ڈلا، پتھر خوشبو یہی چیزیں رہ گئیں اب اس پر چاہے وہ غرور کرے وہ بھی جہالت ہوگی کیونکہ اُوپر کا علم نہیں ہے۔ عظمتِ خداوندی سامنے نہیں ہے اسے غلط استعمال کرے تو کر سکتے ہیں اس لیے کہ اُوپر کا علم سامنے نہیں ہے جو غلط کو غلط بتاتا اور صحیح کو صحیح، تو ان کی آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود اندھی ہیں۔ کان کھلے ہونے کے باوجود بہٹ ہیں کہ وہ حق اور باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے

محض صورتوں کو دیکھنا کمال نہیں اُن میں امتیاز کرنا کمال ہے

تو صورتوں کا دیکھ لینا کمال نہیں جانور بھی دیکھتا ہے بیل بھی دیکھتا ہے صورتیں، ان صورتوں میں یہ امتیاز کرنا کہ یہ دیکھنے کے لائق ہیں یا نہیں یہ حلال یا حرام؟ قلب کا کام ہے مگر وہی قلب جس کے اندر ایمان کی روشنی ہو جس میں انبیاء کی اطاعت کا جذبہ ہو، ان لوگوں نے جب وہ جذبہ کھو دیا تو ظاہر بات ہے کہ صرف محسوسات رہ گئیں اسی کے چکر میں پڑے رہے نہ عقل کام دے گی نہ علم کام دے گا کیونکہ یہ علم ہے

سائنس اور فلسفہ علم نہیں حِس ہے

آج مجازی طور پر آپ علم کہہ دیں، سائنس کو فلسفے کو مگر یہ علم نہیں ہے یہ حِس ہے یعنی محسوسات کو دیکھنا تجربات سے اس میں نئی نئی چیزیں پیدا کرتے رہنا یہ بس دیکھنا ہے اور دست کاری۔

علم کسے کہتے ہیں؟

علم کہتے ہیں مغیبات کو یعنی ایسی چیز کو جاننے کو کہ جو آنکھ اور کان سے نہ دیکھی جا سکے اس چیز کا نام ہے علم، اور وہ علم اللہ کا ہے جو وحی کے ذریعے آتا ہے تو علم کہلانے کا مستحق وہ ہے، یہ حسی چیزیں ہیں حِس سے تصرفات کریں گے یہ احساسات سے تعلق رکھتے ہیں اسے حِس کہیں گے علم نہیں کہیں گے اور حِس جانور میں بھی ہوتی ہے انسان میں بھی۔ جانور کے لاٹھی مار دو گے وہ بھی تکلیف پائے گا۔ انسان کی خصوصیت نہیں اُس کو ڈھیلا مارو، وہ بھی جذبہ میں آجاتے گا۔ یہ عقل سے تعلق نہیں

رکھتا۔ طبیعت سے تعلّق رکھتا ہے حِسّ سے تعلق رکھتا ہے تو یہ جتنی چیزیں ہیں یہ احساسات ہیں علوم نہیں ہیں علوم کا تعلق ہے مغیبات سے اور وہ جبھی آتا ہے جب قلب کے اُوپر کا دروازہ کھلے اور اس دروازے میں وہاں سے آمد شروع ہوجائے علم کی اور کنکشن ہو تو حاصل یہ نکلا اس آیت کا کہ اُنھوں نے اُوپر کا دروازہ بند کرلیا ہے۔ قلب کا اور وہ کام نہیں لیتے جو قلب کا کام ہے کہ جائز اور ناجائز میں امتیاز کریں صورتیں دیکھنے پر قناعت کررہے ہیں تو پھر کہاں سے اُنھیں منزلِ مقصود نظر آئے گی اور پھر یہ سامان بھی جتنا ہے دیکھنے کا یہ بھی ہمارا ہی تو دیا ہُوا ہے اس نے خود کہاں پیدا کیا ہے اگر ہم روک لیں تو دیکھ بھی نہ سکے، چکھ بھی نہ سکے تو ان طاقتوں کے بل بوتے پر ہمارے مقابلے پر آرہا ہے۔ جس کے خالق ہم ہیں تو حماقت اور جہالت واضح فرمائی گئی اس کو فرمایا قُلْ هُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ كُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ کہہ دیجیے اسے پیغمبر کہ وہ وہی ہے اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا پیدا کرنے والا وہ ہے اور پیدا بھی کیا اس شان سے کہ جن قوّتوں پر ناز کرتے ہو وہ اس نے رکھیں۔ سُننے کی طاقت اُس نے رکھی، دیکھنے کی طاقت اس نے رکھی۔ بوجھنے کی طاقت اس نے رکھی، دل دیا، آنکھ دی، کان دیے مگر قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ بہت کم ہیں جو شکرگزار ہیں اللہ کے کہ ان نعمتوں کو نعمت سمجھیں بس یوں سمجھ لیں کہ ہماری ملکیت ہے کون ہے دینے والا تو نہ شکر کا کام ہے نہ حمد کا کام ہے تو جب حمد و شکر نہیں اس واسطے اس کا استعمال بھی صحیح نہیں اس لیے کہ ادھر عقل لڑاتے ہی نہیں قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ یہ تو ہیں قُوای اور فرماتے ہیں یہ تو ہیں قوتیں اب خود اپنی ذات کو دیکھ لو جس میں یہ قوتیں رکھی گئیں وہ ذات کہاں سے آئی؟ وہ بھی تو اللہ ہی نے بنائی ہے تم تو خود ہی نہیں بنے تو اس کو فرمایا قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ آپ فرما دیجیے اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں بکھیر دیا عجیب اعجازی شان سے کہ ایک نقشِ واحد کو پیدا کیا آدم علیہ السّلام کو، اور اس کے ذریعے سے اربوں کھربوں انسان پوری زمین میں بکھیر دیے تو یہ بکھیرنے والے ہم ہیں یا تم ہو؟ ہم نے ہی تو تمہاری ذات کو دُنیا کے اندر بھیجا تو ذات جب ہم نے بھیجی تو ذات میں جو کرامتیں رکھی ہیں سُننا، دیکھنا، عقل، یہ بھی تو ہم ہی رکھنے

والے ہیں جو ذات کا دینے والا وہ صفات کا دینے والا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ذات تو تم بناؤ اور صفات میں ہم تمہارے تابع ہو جائیں یا ذات ہم بنائیں اور صفات تم رکھ لو جو ذات بنائے گا وہی صفات بنائے گا۔

سارے بیان کا حاصل تو حاصل یہ نکلا کہ اگر اللہ کی قدرت پر غور کرو تب بھی جواب موجود ہے کہ تم اس کی اطاعت کرو اور عبرت پکڑو اور اگر عقل سے غور کرو تو عقل بھی بتلاتی ہے کہ دینے والا جو ہے اسی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، اگر حِس پر غور کرو، تو پرندوں کو دیکھ لو وہی ہے اُوپر لے جانے والا، وہ پتھروں کو اُوپر لے جا کر برسا سکتا ہے اگر تاریخ پر غور کرو تو پچھلوں میں ایسے واقعات پیش آ چکے ہیں۔ لیکن جب نہ تاریخ سامنے رکھو، نہ آنکھ کان کھول کر دیکھو نہ عقل سے دیکھو، نہ ایمان لاؤ تو سوائے ہٹ دھرمی کے اور کیا ہے؟ اس کا حاصل یہ ہے کہ تم گویا مستعد بن رہے ہو ہمارے عذاب اُٹھانے کے لیے تو ہم عذاب بھیجنے والے ہیں ہم نے دُنیا میں بھی عذابات دیے ہیں قیامت کا دن بھی رکھا ہے کہ اس میں آخری طور پر عذاب دیں گے۔ اب آگے جب یہ بات ہُوئی تو فرمایا کہ گویا جب تم عذاب ہی چاہ رہے ہو تو اچھا تیّار رہو عذاب کے لیے مگر مصیبت یہ ہے انسان کی کٹ حجتی پر کہ تیّار ہونے کے باوجود پھر تیّار نہیں وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اجی صاحب وہ عذاب کب کو آئے گا، وہ قیامت کب آئے گی اب اس پہ بھی یقین نہیں کہ آنے والا ہے اس لیے کہ یقین کا سبب اور اسباب تو پیدا کیے نہیں۔ اس سے کام نہیں لیا تو قیامت کی دھمکی دی کہ اب قیامت مانگنے کو تیّار کہ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ یہاں سے پھر آگے قیامت کا اثبات شروع کیا کہ آخری سزا کے لیے قیامت کا دن تیّار ہے دُنیا میں جب تک گزار رہے ہو گزار لو، یہاں بھی عذاب آئے گا اور وہاں بھی عذاب آئے گا۔ یہاں کے عذاب کو ممکن ہے کہ تھوڑا بہت اسباب کے ذریعے ٹال لو گو وہ ٹلے گا نہیں، لیکن قیامت کے دن تو کوئی صورت ہی نہیں ہے ٹلنے کی۔ وہ تو آنے والا ہے چاہے اسے مانگو تم، چاہے نہ مانگو۔ اس واسطے آگے قیامت کے ثبوت اور قیامت کے اثبات پر بحث فرمائی ہے اب یہاں سے کل ہوگا۔ انشاء اللہ دُعا فرمائیں۔

مولای صلِّ وسلِّم دائماً ابداً
علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّہم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاءاللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۵، ۲۷ نومبر ۱۹۸۱ء

اَلْحمد للہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمدٍ وّ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

امّا بعد! عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ ابْنَ عَمٍّ لِّیْ اٰتِیْهِ اَسْاَلُهٗ فَلَا یُعْطِیْنِیْ وَلَا یَصِلُنِیْ ثُمَّ یَحْتَاجُ اِلَیَّ فَیَاْتِیْنِیْ فَیَسْاَلُنِیْ وَقَدْ حَلَفْتُ اَنْ لَّا اُعْطِیَهٗ وَلَا اَصِلَهٗ فَاَمَرَنِیْۤ اَنْ اٰتِیَ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ وَّاُكَفِّرَ عَنْ یَّمِیْنِیْ[1]

حضرت ابو الاحوص عوف بن مالک اپنے والد (حضرت مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے فرمایا۔ مَیں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ میرے چچا کے بیٹے کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں کہ جب میں (اپنی کسی ضرورت کے موقعہ پر) اس سے کچھ (مال و اسباب) مانگتا ہوں تو وہ مجھے (کچھ) نہیں دیتا اور

---

[1] مشکوٰۃ ص ۲۹۷

نہ ہی میرے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے، لیکن جب خود اس کو مجھ سے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے مانگتا ہے، مَیں نے (اس کو عمل کی سزا دینے کے لیے کہ خود تو مجھ کو کچھ دیتا نہیں اور مجھ سے مانگنے کے لیے آجاتا ہے) اس بات پر قسم کھالی ہے کہ مَیں نہ تو اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس سے صلہ رحمی کروں گا، (یہ سُن کر) آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے حکم دیا کہ میں وہ کام کروں جو بہتر ہے (یعنی اس کی ضرورت پوری کردوں اور اس کے ساتھ حُسنِ سلوک کروں) اور قسم توڑنے کا کفارہ دوں۔

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے رہن سہن کے مسائل، آپس کی معاشرت کی باتیں، یہ سب بتلائی ہیں

ایک صحابی رضؓ کا واقعہ جنہوں نے غصہ میں اگر صلہ رحمی نہ کرنے کی قسم کھالی تھی

ایک صحابی جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مسئلہ پوچھا کہ میرا چچازاد بھائی ہے۔ مَیں اس کے پاس جاتا ہوں۔ مجھے وہ (مانگتا ہوں تو) کچھ دیتا ہی نہیں اور تعلّق رکھنا جسے کہتے ہیں، تعلّق بھی نہیں رکھنا، صلہ رحمی بھی نہیں، کہ جیسے میں اُس کا رشتہ دار ہوں بھائی ہوں۔ تو میری طرف اس کی کوئی توجہ ہو، کوئی تعلّق ہو، اُسے میرے سے، ایسی بھی بات نہیں ہے۔

اور ایسا بہت ہوتا ہے۔ دوستوں کے ساتھ دوستی چلتی رہتی ہے اور رشتے داروں سے رشتے داری نہیں نبھائی جاتی، وہ سخت ہوجاتے ہیں تو میرا قصہ خود ایسا گویا گزرا ہے انہوں نے یہ بتادیا کہ ایک دَور ایسا تھا کہ اُس نے میرے ساتھ یہ معاملہ رکھا، وہ دَور گزر گیا تو پھر یہ ہوگیا کہ میرے حالات اچھے ہوگئے، وہ ضرورت مند ہوگیا وہ میرے پاس آتا ہے مجھ سے مانگتا ہے، مَیں نے یہ قسم کھار کھی ہے، قسم کھالی تھی کہ اَنْ لَّا اُعْطِیَہٗ وَلَا اَصِلَہٗ کہ جیسے اُس نے مجھے نہیں دیا تھا اسے بھی میں ایک کوڑی بھی نہیں دوں گا۔ چاہے کتنا بھی یہ مانگتا رہے اور چاہے کتنا بھی ضرورت مند ہو اور نہ میں اس کے پاس جاؤں گا۔ وَلَا اَصِلَہٗ

اس سے صلہ رحمی یعنی رشتہ قائم رکھنا، رشتے داری کو قائم رکھنا جانا آنا کے ذریعے سے وہ بھی میں نہیں کروں گا۔

یہ مَیں نے قسم کھالی ہے جیسے اُسکا رویّہ تھا اس کے طیش میں آکر، حالات بدلے اُس کے ویسے ہوگئے اِس کے ایسے ہوگئے۔ پتہ نہیں روز بدلتے رہتے ہیں حالات، مال دار سے غریب، غریب سے مال دار ہوتے ہی رہتے ہیں تو مَیں کیا کروں اب؟ اب وہ میرے پاس آتا ہے تو دو ہی صُورتیں ہیں یا تو مَیں اپنی قسم پہ قائم رہوں اور نہ میں اس کے پاس جاؤں نہ مَیں اُسے کوئی پیسہ دوں مدد کروں یا یہ ہے کہ مَیں اپنی قسم توڑوں، تو اشکال یہ تھا کہ ایک طرف قسم کھاچکا ہوں دوسری طرف وہ آتا ہے تو قسم کھائی ہے غصّہ میں اور جذبات بھی وہی ہوتے ہیں آدمی کے، لیکن جب دوسرا بھائی آتا ہے اور وہ ضرورت اپنی ظاہر کرتا ہے تو دِل میں نرمی بھی آتی ضرور ہے تو اس اشکال میں یہ مُبتلا ہُوئے تو حاضرِ خدمت ہُوئے اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا اَب یہ ایک معاملہ ہے گھریلو جیسے ہوتا ہے، تنازعہ نجی قسم کا، اس میں ہماری گورنمنٹ میں کوئی قانون نہیں ہے کہ کیا کیا جائے؟ اور کسی مذہب میں شاید ایسی مثال ہو۔ مذہبوں میں تو بہت ہی کم چیزیں ہیں تو ایسی چیزیں تو ہوں گی نہیں وہاں، یہ تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قائم رکھا ہے اور رہے گا اور اس پر عمل کرنے والے بھی رہیں گے۔ کوئی چلتا ہے قانُون کا راستہ تو بہت سے لوگ آپ ایسے دیکھیں گے جن کے سامنے اپنی آخرت ہے وہ پُوچھتے ہیں آکر مسئلہ اور وہ اس پر چلتے ہیں۔ سارے لوگ قانُون پہ نہیں چل رہے ہے۔ مسئلہ بھی پُوچھتے ہیں اور اس پر چلتے بھی ہیں اور اگر نہیں آتا تو اور کہیں سُن لیتے ہیں تو اس پہ عمل بھی کرتے ہیں اس واسطے دین آج تک زندہ بھی ہے۔ شکلاً بھی، عملاً بھی زندہ ملے گا، مگر افراد میں۔ حکومت اگر ہو جائے صحیح طرح تو پھر بہت لوگ مل جائیں گے۔ اور اگر حکومت نہیں ہے تو افراد ہیں ضرور، اسلام بہر حال زندہ ہے۔ نمونے اس کے زندہ ہیں اور ایسے ایسے لوگ ملتے ہیں بالکل دُنیا دار مگر اندر سے وہ دین دار ہوتے چلے جاتے ہیں، دین کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ دُنیا چھوڑ دی سب، تو دریافت کیا کہ میں کیا کروں؟ تو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو بہتر ہے جس میں ثواب ہے وہی کام کرو اور قسم ٹوٹتی ہے تو توڑ دو، کیونکہ قسم توڑنے کے بعد جو سزا ہوتی ہے وہ اللہ نے بتا رکھی ہے اور وہ اسی لیے بتائی ہے کہ کبھی کبھی ضرورت پڑ جاتی ہے قسم توڑنے کی اور ضرورت جہاں پڑتی وہ یہی جگہ ہے ایسے کہ غلط قسم کھا بیٹھا ہے بعد میں اس سے پچھتا رہا ہے۔ انسان ہے، انسان ایسا بھی کرے گا

تو اللہ تعالیٰ نے وہی طریقہ بتلایا۔

مَاسِوَی اللہ کی قسم کھانے سے قسم نہیں ہوتی

تو اور چیزوں کی تو قسم ہوتی بھی نہیں۔ جان کی قسم اور فلاں کی قسم اور یہ اور وہ یہ تو منع ہی ہے۔

اس میں دو خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ غیر اللہ کا نام قسم میں لینا منع کیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا باقی کسی کی قسم نہ لی جائے۔ (کسی اور کا) نام نہ لیا جائے، اور جو ایسے جملے ہیں اُنہیں کہا جاتے گا کہ تاکید کے لیے ہیں۔ میری جان کی قسم اور فلاں کی قسم اور تمہاری جان کی قسم یہ تاکید کے لیے ہیں اس سے فائدہ اتنا ہی حاصل ہوگا کہ تاکید ہوگئی اور مضمون میں زور پیدا ہوگیا، اس کے علاوہ کوئی فائدہ اس میں نہیں ہے، قسم وہ نہیں کہلائے گی۔ قسم وہی کہلائے گی جو خدا کا نام لے کر ہو تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا اَنْ اٰتِیَ الَّذِیْ ھُوَخَیْرٌ وَّ اُکَفِّرَ عَنْ یَّمِیْنِیْ قسم کا تو دو کفّارہ اور جو قاعدہ اور جو نیکی اللہ نے بتلائی ہے وہ کروں اس میں کفارہ جو ہے وہ اس گناہ کا کفارہ ہوگیا جو قسم توڑنے کا گناہ ہوا تھا اور اس کا اللہ نے بتلا دیا کہ یہ کفارہ ہے۔

قسم توڑنے میں ایک طرح سے اللہ کے نام کی بے حرمتی ہے

قسم توڑی تو گویا اللہ کے نام کی ایک طرح کی بے حرمتی سی ہوئی مگر یہ بے حرمتی خُدا کے حکم کے تحت ہوئی کہ اللہ نے بتلایا نیکی کرو، بُرائی پہ قائم نہ رہو۔ اس حکم کے تحت یہ بے حرمتی کرنی پڑی اسے، تو اس بے حرمتی کو بے حرمتی نہیں کہا جائے گا اور اس بے احتیاطی کو یا زبان کی سبقت کو یا انسانی جذبات کی وجہ سے غلبے میں آکر بات کرنے کو اللہ تعالیٰ نے ایک طرح کا قابلِ سزا گناہ بتایا۔ سزا اس کی یہ ہے کہ وہ کفارہ دے وہ کفارہ بھی خدا ہی کے نام کا ہوگا۔ قسم بھی خدا ہی کے نام کی تھی تو جو کفارہ دے گا وہ بھی خدا ہی کے لیے کرے گا اور اگر بالکل پیسے نہیں ہیں کچھ بھی نہیں ہے تو کفارہ پھر اس طرح کرے گا کہ اپنی جان (خرچ کرے گا یعنی) روزے رکھے گا۔ یہ کفارہ ہوگا اس کا، کچھ بھی نہیں ہے اس کے پاس، تو پھر یہی کفارہ ہے بہرحال، یا یہ ہے کہ وہ کسی بھی، وقت دے دے کچھ، (یا کسی بھی وقت) دس مسکینوں کو کھانا کھلادے،

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکرؓ کو بھی قسم کا کفارہ دینا پڑا ہے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی ایسا قصہ گزرا ہے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی

ایسا قصہ گزرا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے مانگا کہ ہمیں سواری چاہیے۔ مزاج مبارک پر اسوقت کوئی خفگی تھی فرمایا میں نہیں دوں گا سواری اور وَاللّٰہِ لَآ اَحْمِلُ فرمایا تو یہ چلے گئے تھوڑی دیر بعد آدمی آیا بلانے کہ آؤ اور لے لو یہ، اس وقت تھے نہیں۔ پھر کہیں سے جانور آگئے۔ آپؐ نے بلا لیا لو لے جاؤ۔ اَب حضرت ابو موسیٰؓ لے آئے یہ نہیں کہا (بے ادبی سمجھی بات کرنی) کہ آپ نے تو حضرت یہ فرمایا تھا، پھر آکر سوچتے رہے کہ کیا بات ہوئی ہے وجہ کیا تھی قسم سے فرمایا تھا اور پھر ہمیں دے دی۔ اگر یہ بات ایسے ہوئی ہے کہ کسی طرح سے غفلت ہوگئی ہے لَئِنْ تَغَفَّلْنَا اگر ہم نے آپ کی غفلت سے فائدہ اُٹھایا تو ہمیں نقصان ہوگا اس واسطے اُنھوں نے ہمت کی اور پھر آکر عرض کیا کہ ہم پہلے حاضر ہوتے تھے تو جناب نے یہ فرمایا تھا اور وَاللّٰہِ فرمادیا تھا۔ خدا کی قسم، اور پھر تھوڑی دیر بعد طلب فرمایا اور پھر یہ دے دیا تو اس میں ممکن ہے کہ کوئی اپنا مسئلہ حل کرنے کے لیے ہی پوچھی ہو اُنھوں نے یہ بات کہ ایسی صورت میں کیا مسئلہ ہوتا ہے کیا وجہ ہوتی ہے؟ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو صاحبِ شریعت تھے۔ صاحبِ شریعت پہ اعتراض نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ پوچھا جاسکتا ہے جو شریعت خدا کی پہنچا رہے ہیں۔ ان پہ اعتراض تو کیا ہی نہیں جاسکتا کہ یہ آپ نے کیوں کیا؟ پوچھا جاسکتا ہے اور پوچھنے کے معنیٰ کہا جاسکتا ہے۔ کہ ایسے کیوں ہوا ہے اس کی وجہ کیا ہے، یعنی حکم بدل گیا ہے یا کیا ہوا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نے فرمایا کہ جو بھی میں کبھی قسم کھا لیتا ہوں اور اُس کے بعد مجھے دوسری چیز میں بہتری نظر آتی ہے تو جس میں بہتری ہو وہ مَیں اختیار کرلیتا ہوں اور قسم کا کفارہ دیتا ہوں۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایسے ہوا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسے ہوا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کی زندگی میں گھریلو معاملات میں رشتے داریوں میں پیش آتی رہتی ہیں اور ہر جگہ پیش آتی رہتی ہیں، ان کے مسائل اور ذرا ذرا سی بات تمام چیزیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم دے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

(قسط : ۲۶)

ہدایات

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
"سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

وہ نبی جس کو ان خصوصیات کے ساتھ مبعوث کیا گیا تھا اس آیت کے دوسرے حصہ میں اس کو چند ہدایات فرمائی گئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) پہلی ہدایت ۔ اہلِ ایمان کو بشارت دے دیجیے کہ اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل (اعزاز) ہے

تشریح اس ہدایت میں۔ (الف) جس طرح طریقہ دعوت و تبلیغ کی تلقین ہے کہ داعی الی اللہ کو تخویف و ترہیب (ڈرانے دھمکانے اور مرعوب کرنے) کے بجائے ترغیب اور تشویق کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے یعنی خُدا کے قہر و غضب کے تذکرہ سے پہلے ان نعمتوں اور ان فوائد کو ذہن نشین کرانا چاہیے جو دعوت کے قبول کرنے پر صاحبِ ایمان کو میسر آئیں گے۔

(ب) اور جس طرح حوصلہ افزائی ان اہلِ ایمان کی جو دعوت قبول کر رہے ہیں۔

(ج) اسی طرح پیشین گوئی ہے اُن امتحانات کی جو دعوت قبول کرنے والوں کے ہوا کرتے ہیں جن کی بناء پر اللہ کے یہاں اُن کا اعزاز ہوتا ہے۔ سورۃ ۲ (بقرہ) آیت ۲۱۴ میں فرمایا گیا ہے[1]۔

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ (محض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے) تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو تمہیں وہ آزمائشیں پیش ہی نہیں آئی ہیں جو تم سے پہلے لوگوں کو پیش آچکی ہیں۔ ہر طرح کی سختیاں انھیں بھگتنی پڑیں، ہولناک مصائب سے اُن کو جھنجوڑا گیا، یہاں تک کہ اللہ کے رسول اور جو لوگ ایمان لائے تھے پکار اُٹھے، اے نصرتِ خداوندی تیرا وقت کب آئے گا (تب اچانک پردہ غیب چاک ہوا اور خداوند عالم کی نصرت یہ کہتی ہوئی نمودار ہو گئی) ہاں

ے یعنی جب فضل و اعزاز کی بشارت ہے تو لامحالہ ان امتحانات کی بھی پیشین گوئی ہے۔ جن میں کامیاب ہونے پر فضل و اعزاز کا تمغہ ملتا ہے۔ ے ام حسبتم ان تدخلوا (الی قولہ) قریب (سورۃ ۲ بقرہ ع ۲۶)

گھبراؤ نہیں خدا کی نصرت تم سے دُور نہیں ہے۔ آیت ۲۱۴/۲۔

اس عام ضابطہ قدرت کے علاوہ خاص اس اُمت کو بھی آگاہ کر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ کی آیات[1] ۱۵۴ تا ۱۵۷ جن کا ترجمہ یہ ہے۔

"یاد رکھو یہ ضرور ہونا ہے کہ ہم تمہارا امتحان لیں۔ خطرات کا خوف، بھوک کی تکلیف، مال و جان کا نقصان، پیداوار کی تباہی، وہ آزمائشیں ہیں جو تمہیں ضرور پیش آئیں گی۔ پھر جو لوگ صبر کرنے والے ہیں اُنہیں (فتح و کامرانی کی) بشارت دے دو یہ وہ لوگ ہیں جب کبھی کوئی مصیبت اُن پر آتی ہے (تو بے قرار اور بدحواس ہونے کے بجائے ذکرِ الٰہی سے اپنی رُوح کو تقویت پہنچاتے ہیں اور اُن کی زبانِ حال کی صدا یہ ہوتی ہے کہ) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہم اللہ کے ہیں (ہماری زندگی اور موت۔ رنج و غم، سود و زیان، جو کچھ بھی ہے سب اللہ کے لیے ہے اور ہم سب کو بالآخر مرنا اور) اُس کی طرف لوٹنا ہے۔ سو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اُن کے پروردگار کے الطاف و کرم ہیں جن پر اُن کے رب کی رحمت اُترتی ہے اور یہی ہیں جو اپنے مقصد میں کامیاب ہیں"

(سورۂ بقرہ آیت ۱۵۴ تا ۱۵۷)

(۲) دوسری ہدایت۔ اور کہنا نہ مان منکروں اور منافقوں کا۔

سورۂ ۷۶/۱ (دہر) کی آیت ۲۴ میں یہ ارشاد ہے۔

آپ اپنے پروردگار کے حکم پر مضبوطی سے قائم رہیے اِن (دشمنانِ دین) میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کا کہنا نہ مانیے۔

بیشک داعی الی اللہ اللہ کے حکم پر مضبوطی سے قائم رہے گا۔ وہ غیر اللہ کے حکم کی تعمیل نہیں کرے گا۔ ان سے قطع تعلق کرے گا۔ مگر یہ قطع تعلق خاص رکھ رکھاؤ کے ساتھ ہوگا۔ دل آزاری کے ساتھ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس رب کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہے اس کا حکم یہ بھی ہے کہ

"یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو۔ اور خوب صورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ"۔

(سورہ ۷۳/۱، مزمل، آیت ۱۰)

(۳) تیسری ہدایت۔ دَعْ اَذَاھُمْ۔ نظر انداز کر دے اُن کی ایذا رسانی کو یعنی معاف کرو۔

---

[1] وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ الیٰ قولہ تعالیٰ المھتدون۔ سورۂ بقرہ ع ۱۹

درگزر کرو۔ صبر و ضبط اور تحمل سے کام لو۔ داعی الی اللہ کی یہی شان ہے اور یہی اُسکا فرض ہے۔

چنانچہ سورۃ ۳؎ (آل عمران) کی آیت ۱۵۸ میں فرمایا گیا ہے۔[1]

(یاد رکھو) ایسا ہونا ضروری ہے کہ تم جان و مال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ۔ یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکینِ عرب سے تمہیں دُکھ پہنچانے والی باتیں بہت کچھ سُننی پڑیں۔ اگر تم نے صبر کیا (یعنی مصیبتوں میں ثابت قدم رہے) اور تقویٰ کا طریقہ اختیار کیا۔ (اللہ تعالیٰ کے احکام کی پُوری تعمیل کی اور نافرمانی سے پوری احتیاط برتی) تو بلا شُبہہ یہ ہوں گے بہت (بڑے حوصلہ) کے کام۔

④ چوتھی ہدایت۔ اللہ پر بھروسہ کر

---

[1] حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت جس کو بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں ص ۶۵۶ اور باب کنیۃ المشرک میں ص۱۱۶ پر تفصیل سے نقل کیا ہے اس کے آخری الفاظ سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس وقت تک تھا جب تک جہاد کی اجازت نہیں ہوئی تھی اس کے بعد یہ حکم نہیں رہا، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ دعوت اور تبلیغ کے سلسلہ میں یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں جہاں یہ حکم ہے۔ فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھو۔ آیت ۴؎ (جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو (جنگ کی حالت قائم ہو جائے گی اس وقت) مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو) اس آیت کے بعد اگلی آیت یہ ہے۔ وان احد من المشرکین استجارك آیت ۵؎ یعنی اے نبی اگر مشرکوں میں سے کوئی آدمی آئے اور تم سے امان مانگے تو اُسے ضرور امان دو یہاں تک کہ وہ (اچھی طرح) اللہ کا کلام سُن لے۔ پھر اُسے امن کے ساتھ اس کے ٹھکانے پر پہنچا دو (اسلام قبول کرے یا نہ کرے)

دراصل حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا تعلق پُورے واقعہ سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب تک جہاد کی اجازت نہیں ہوئی تھی اور صرف صبر ہی کی ہدایت تھی تو اس وقت تک عبداللہ بن ابی بن سلول اور ان کی پارٹی کے آدمی کھلے بندوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کیا کرتے تھے جو بسا اوقات توہین آمیز ہوتی تھی اور جب جہاد کی اجازت ہو گئی اور غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو فتح بھی حاصل ہو گئی تو اُن لوگوں نے ظاہرداری کے لیے اسلام قبول کر لیا اور کھلم کھلا مخالفت کے بجائے دَرپردہ سازشیں شروع کر دیں۔

یعنی جملہ ذرائع استعمال کرو۔ ذرائع کا مہیّا کرنا بھی فرض ہے مگر بھروسہ ذرائع پر نہ ہو۔ بھروسہ خدا پر ہو کہ ہدایت بخشنا اُس کا کام ہے وہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔

انک لا تھدی من اَحْبَبْتَ ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء وھو اعلم بالمھتدین (سورۃ ۲۸ القصص آیت ۵۶)

تم جس کو چاہو راہِ راست پر نہیں لگا سکتے اللّٰہ جس کو چاہے راہِ راست پر لگا دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا پُورا علم اُسی کو ہے۔

سیرۃ مُبارکہ کا اہم اور اصل جزدعوت ہے۔ داعی کی حیثیّت سے آپ کے اوصاف وخصائل سطورِ بالا میں بیان کیے گئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر دعوت کے آداب اور طریقہٴ کار بھی بیان کر دیا جائے۔ یہ بھی سیرۃ مُبارکہ کا سب سے مقدم باب ہے آئندہ سطور میں آداب اور وہ طریقہ کار بیان کیا جا رہا ہے۔ جو وحیٴ الٰہی نے مقرر فرمایا ہے۔ واللّٰہ الموفق وھو المستعان

آداب دعوت وطریقہ کار

(۱)

(الف) اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ (تا) وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ (سورہ ۱۶ نمل رکوع ۱۶)

ترجمہ: (اے نبی) اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ اس طرح کہ حکمت[1] (اور دانشمندی) کی باتیں بیان کرو، اور اچھے[2] طریقہ پر پند اور نصیحت کرو اور مخالفوں سے بحث[3] ونزاع کرو تو (وہ بھی) ایسے طریقہ پر کہ وہی طریقہ سب سے بہتر (اور زیادہ سے زیادہ حُسن وخوبی) کا طریقہ ہو۔ تمہارا[4] پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کون راہِ راست پر ہے اور مخالفوں[5] کی سختی کے جواب میں اگر سختی کرو تو چاہیے کہ ویسی ہی اور اتنی ہی کرو (جیسی تمہارے ساتھ کی گئی اور اگر تم نے صبر کیا (یعنی جھیل گئے اور سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا) تو بلاشبہ صبر کرنے والوں کے لیے صبر ہی بہتر ہے اے پیغمبر صبر کر اور تیرا صبر کرنا نہیں ہے مگر اللّٰہ کی مدد سے۔ اور اُن[6] لوگوں کے حال پر غم نہ کھا۔ نہ ہی ان کی مخالفانہ تدبیروں سے دِل تنگ ہو۔ یقیناً اللّٰہ اُنہیں کا ساتھی ہے جو متقی ہیں اور نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں۔

(سورۃ ۱۶ نمل آیت ۱۲۵ تا ۱۲۸)

(ب) خُذِ الْعَفْوَ۔ تا۔ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (سورۂ اعراف رکوع ۲۴)

ترجمہ: درگزر اور معافی کا طریقہ اختیار کر۔ نیک کام کو کہہ اور کنارہ کر جاہلوں (نادانوں) سے اور اگر اُبھار دے تجھ کو شیطان کی چھیڑ (یعنی اگر ایسا ہو کہ کسی بات پر جھونجل آجائے جو یقیناً شیطان کی حرکت ہوگی۔ داعی الی اللہ کو جھونجل نہ آنی چاہیے) تو فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہوجاؤ، اس کی پناہ پکڑو (جھونجل کو ختم کر دو) بلاشبہہ اللہ تعالیٰ سُننے والا جاننے والا ہے

(سورۃ ۷ الاعراف آیت ۱۹۹)

تشریح: ذہنی صلاحیت ہر ایک کی یکساں نہیں ہوتی۔ کوئی صاحب علم و دانش ہوتا ہے، کوئی سادہ طبیعت اور کوئی کھود کرید اور بحث و مباحثہ کا شوقین ہوتا ہے۔ ان آیات کا اشارہ یہ ہے کہ داعی الی اللہ کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ مخاطب کی ذہنیت کو پرکھے اگر وہ صاحبِ علم و دانش ہے تو اس کو عالمانہ اور دانش مندانہ دلائل (حکمت) سے سمجھائے۔ عوام کے لیے ہمدردانہ نصیحت اور وعظ و پند سے کام لے اور بحث کے شوقین سے بحث بھی کرسکتا ہے، مگر اس طرح کہ پہلے مخاطب کو سمجھے پھر وہ انداز اختیار کرے جو حق بات کے سمجھنے اور سمجھانے کا ہوتا ہے جس سے مخاطب میں یقین پیدا ہو۔ اس کے دِل کی گرہ کھُلے ایسی کوئی بات نہ ہو جس سے اس کا دل دُکھے اپنی حق پرستی کا زعم اور گھمنڈ اور اس کی باطل پرستی کی تحقیر و تذلیل کا انداز ہرگز نہ ہو۔ دل پر خوفِ خدا غالب رہے کہ دلوں کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ گمراہ اور ہدایت یافتہ کو وہی خوب پہچانتا ہے۔ اپنے انجام کی خبر کسی کو نہیں۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کس کا انجام کیا ہوگا۔ داعی الی اللہ کے لیے یہ بھی دُرست نہیں کہ وہ مخالف کی مخالفانہ حرکتوں سے دل تنگ ہو اس کے مزاج میں جھونجل بھی نہ آنی چاہیے اگر مخالف کی طرف سے زیادتی ہُوئی ہے تو اجازت ہے کہ اس کا جواب دے سکتے ہو مگر نپا تلا کہ اس میں داعی اور مبلغ کی طرف سے کوئی زیادتی نہ ہو مگر صرف یہ اجازت ہے۔ داعی کی شان یہ نہیں کہ وہ بدلہ لے۔ اس کا کام ہے عفو۔ دَرگزر اور ضبط و تحمل۔ صبر۔ اسکا یہ صبر اللہ کے لیے ہے اور اللہ کی مدد سے ہے۔ لہٰذا داعی کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا رہے کہ اس کے ظرف میں وسعت، نگاہ میں بلندی عطا فرما کر اس کی مدد کرے اس کو یقین رکھنا چاہیے کہ اگر وہ احتیاط اور تقوے سے کام لے رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے،

اس کا حامی اور مددگار ہے۔

(۲)

لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ ۔ تا۔ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ۔ (سورہ ۳ آلِ عمران ع ۱۹)

ترجمہ: ایسا ضرور ہونا ہے کہ تم جان و مال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ۔ یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہلِ کتاب اور مشرکین کی طرف سے تمہیں دُکھ پہنچانے والی باتیں بہت کچھ سُننی پڑیں، اگر تم صبر (ضبط اور تحمّل) سے کام لو اور پرہیز گاری کرو۔ (تقوے سے کام لو، احکام حق کی نافرمانی سے بچو) تو یہ ہیں ہمّت کے کام۔

(سورۃ ۳ آلِ عمران آیت ۱۸۵)

داعی کے اوصاف و خصائل کے سلسلہ میں تیسری ہدایت گزر چکی ہے۔ "دَعۡ اَذٰھُمۡ" نظر انداز کر دے ان کی ایذا رسانی کو

سوال یہ ہوسکتا ہے کہ نظر انداز کب تک کرتا رہے اس کا جواب اس آیت سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کب تک کی کوئی حد ہی نہیں۔

چاہتے ہو کہ حق کا بول بالا ہو تو یہ تمنّا آسان نہیں ہے۔ باطل تمہارے مقابلہ میں ضرور آئے گا۔ پُوری قوّت سے آئے گا۔ اور آتا رہے گا۔ جب تک دُنیا میں نُور و ظلمت، اندھیری اور اُجالا ہے، حق و باطل کی جنگ بھی جاری ہے اور پیروانِ دعوتِ حق کے لیے امتحانات بھی باقی ہیں۔

داعی الی اللہ کی کامیابی یہی ہے کہ ان امتحانات میں وہ کامیاب ہو۔ ہدایت دینا اور بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر لانا خدا کا کام ہے۔

السّعی مِنّی والاتمام من اللہ

تحریر: ڈاکٹر محمود عارف۔ لاہور (قسط ۶ آخری)

گردیز کے محاذ پر

۱۹ اکتوبر ۱۹۹۱ء نماز فجر کے بعد ناشتہ کیا اور مجاہد عبدالخالق نے اگلے مورچے پر وائرلیس کے ذریعے کمانڈر محمد الیاس اور "پنجابی" مہمانوں کے آنے کی اطلاع دی، وہاں سے بتایا گیا کہ عبدالخالق کے بھائی قاری محمد سعید پہلے ہی گاڑی لے کر روانہ ہو چکے ہیں۔ محمد سعید صاحب نے جن کے پاس کیموفلاج کی ہوئی ڈاٹسن گاڑی تھی آکر بتایا کہ وہ پہلے ایک اور جگہ جائیں گے وہاں سے شام کو واپس اگلے مورچے پر جاتے ہوئے ہمیں اپنے ہمراہ لے جائیں گے، کمانڈر الیاس صاحب نے اس وقفے کو غنیمت جانا اور ہمیں قلعہ سے باہر بنی ہوئی ایک کچی مسجد میں لے گئے اور ایک کلاشنکوف منگوا کر ہمیں اس کو چلانے، اس میں میگزین ڈالنے، اُس کو کھول کر صاف کرنے اور دوبارہ جوڑنے کا طریقہ سکھایا اس ظالم ہتھیار کا ذکر ہم نے بارہا سُنا تھا، مگر اُس کو دیکھنے اور اُس کو کھولنے کا یہ پہلا موقع تھا، جی بھر کر دیکھا۔ ظالم دیکھنے میں کس قدر سادہ اور کتنا عامیانہ سا نظر آتا تھا، مگر اس کی مار بڑے غضب کی تھی۔

اسی مورچے میں ہم نے شام تین بجے تک کا وقت گزارا، اس روز تمام دن سروڑی مورچے پر گولہ باری ہوتی رہی بار بار طیارے آکر بمباری کرتے رہے۔ پتہ چلا کہ "کابل فوج" ہر قیمت پر سروڑی مورچہ واپس لینا چاہتی ہے اور شام کو ۴ بجے فی الواقع اُنھوں نے اس پر قبضہ کر بھی لیا، لیکن مولانا حقانی اور مولانا ارسلان کی قیادت میں مجاہدین نے رات کو ۹ بجے دوبارہ اس مورچے پر قبضہ کر لیا۔

درا گاتی / درگئی مرکز اسی دن شام دو بجے قاری محمد سعید صاحب جب واپس آئے تو ہم روانگی کے لیے تیار تھے۔ اس عرصے میں مجاہد عبدالخالق نے ہم میں سے ہر

ایک کے نام ایک ایک کلاشنکوف اور ایک ایک کمانڈو جیکٹ جاری کردی، اس لباس میں ہم بھی سچ مچ مجاہد لگ رہے تھے۔

قاری محمد سعید صاحب نے اپنی کیمو فلاج ڈاٹسن گاڑی میں ہمیں بٹھا کر آگے بڑھنا شروع کیا اور تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد ہماری گاڑی ایک اُونچے قلعہ نما مکان کے سامنے جا کر رکی۔ یہ درگئی مرکز تھا۔ درگئی مرکز کے قریب ہمیں پندرہ بیس کے قریب مجاہدوں کی ایک جماعت آگے بڑھتی ہوئی نظر آئی۔ پتہ چلا کہ یہ مولانا سعادت اللہ صاحب ہیں جو اپنے مجاہدوں کے ہمراہ اگلے مورچے پر جا رہے ہیں۔ ہم گاڑی سے اُترے اور اندر چلے گئے۔ یہاں ہم نے ایک کمرے میں سامان رکھا اور پھر ماحول کا جائزہ لیا۔ معلوم ہوا کہ یہاں تقریباً ۱۰۰ کے قریب مجاہدین مقیم ہیں جن میں ہر عمر ہر رنگ اور ہر نسل کے لوگ ہیں ان میں سفید ریش بھی تھے اور سیاہ ریش اور بلا ریش بھی۔ یہ لوگ تعداد میں کم ضرور تھے، مگر اپنے جذبوں میں ایک بڑی قوم نظر آرہے تھے، اُنہیں ایک عزم اور ایک جذبے نے ایک بنیان مرصوص بنا دیا تھا یہاں دوستی اور محبت کے عجیب و غریب نظارے نظر آئے۔ گو یہ سب مختلف اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، مگر مقصد کی ہم آہنگی کی بناء پر ایک خاندان کی طرح رہ رہے تھے۔ اُن کی عمریں بھی ایک جیسی نہ تھیں، مگر وہ سب، ہم عمر نظر آتے تھے۔ اُن سب کی آنکھوں میں ایک جیسا عزم اور حوصلہ تھا اور سب کے چہرے جوان جذبوں سے تمتما رہے تھے۔ ان میں ایک بھی ایسا مجاہد نہ ملا، جو یہاں آنے پر پچھتا رہا ہو یا جلد واپس جانا چاہتا ہو۔ نمازِ عصر کی امامت مولانا سرفراز خان صاحب نے کرائی جن کا تعلق کراچی سے تھا۔ نماز کے بعد اُنھوں نے اسی جگہ مجاہدین سے جہاد اور اُس کی تیاریوں کے عنوان پر مختصر، مگر مؤثر خطاب کیا۔ اُنھوں نے اپنے خطاب میں حاضرین کو رلایا بھی اور ہنسایا بھی اور یہی ایک کامیاب واعظ کی علامت ہے۔

ہم نے مجاہدین کے ساتھ نمازِ مغرب کے بعد صحن میں کھانا کھایا۔ یہ کھانا کیا تھا۔ بڑی بڑی رکابیوں میں شوربے والا سالن (یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ شوربا کس چیز کا ہے) اور اس کے ہمراہ بڑی بڑی سوکھی روٹیاں۔ سبحان اللہ کھانے کا یہ عالم کہ پانی میں رنگ ڈال کر سوکھی روٹیوں کے ساتھ کھایا جا رہا ہے، مگر ایک ایسی طاقت کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے، جس کی حکومت ایک وسیع رقبے

پر پھیلی ہوئی تھی اور جس کے پاس پیسوں اور مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ مجھے وہ وقت یاد آگیا جب حضرت مغیرہؓ بن شعبہ صحابی اپنے پرانے کپڑوں میں مریل سے ٹٹو پر بیٹھ کر ایرانی سپہ سالار رستم کے دربار میں گئے تھے اور اس کے مال و دولت کی نمائش سے مرعوب ہونے کے بجائے اس کے دھمکانے پر چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی تلوار نکال کر اس کو ترکی بہ ترکی جواب دے کر واپس آگئے تھے۔

مجاہدین نے رات کو سونے سے قبل شب گزاری کے لیے ہدایات دیں۔ انھوں نے ہمیں بتایا کہ یہاں رات کو تیاری کے عالم میں سونا ہوگا، کچھ پتہ نہیں رات کو حملہ ہو جائے۔ اپنا ہتھیار "کلاشنکوف" اپنے قریب رکھیں اور اپنا سامان بھی

رات کو مجاہدین نے کچھ پہرے داروں کو مقرر کیا جو چھت پر کھڑے ہوکر اور دروازے کے قریب رہ کر تمام رات نگرانی کرتے رہے۔

رات کو عجیب و غریب خواب دکھائی دیتے رہے، کبھی حملہ ہوتے نظر آتا، کبھی جنگ دکھائی دیتی اور ویسے بھی گھن گرج کی آوازیں تو تمام رات سُنائی دیتی رہیں۔ اس کے باوجود جو لوگ رات کو گہری نیند سوتے رہے مجھے ان کے حوصلے کی داد دینا پڑتی ہے، میں تو کم از کم یہ جرأت نہیں کر سکا۔ حرکت کے امیر مولوی سعادت اللہ صاحب کا تعلق حیدر آباد (سندھ) سے تھا۔ وہ درمیانی جسامت کے، مگر مضبوط عزم و ہمت والے نوجوان تھے اُن کی آنکھوں میں مجاہدانہ چمک نظر آرہی تھی اُن کے مرکز کے کمانڈر نصر اللہ لنگڑیال صاحب تھے جو فی الوقت بھارت کی قید میں ہیں۔ جنہیں دشمن نے دھوکے سے گرفتار کیا ہے۔ یہ دونوں رات کی کارروائی پر تبصرہ کر رہے تھے کہ میں اور حافظ عبید اللہ صاحب پہنچ گئے۔ انھوں نے ہم سے حال احوال پوچھا تو ہم نے اُن سے اپنی آمد کا مقصد اور اُن کی خدمت میں پاکستانی دوستوں اور مہربانوں کی دعائیں اور تسلیمات پیش کیں اور اُن سے اُسی روز واپسی کی اجازت چاہی۔ انھوں نے ہمیں تو اجازت دے دی مگر ساتھ ہی یہ کہا کہ ہم آپ کو صرف وہاں تک پہنچا سکتے ہیں جہاں سے میرانشا کو گاڑی چلتی ہے ہم نے عرض کیا کوئی بات نہیں آگے ہم خود چلے جائیں گے۔ ان حضرات سے محاذِ جنگ کی تازہ ترین صورتِ حال کا بھی علم ہوا، انھوں نے بتایا کہ وہ تمام رات دشمن کے مورچے کے آس پاس رہے ہیں اور مورچہ پر حملہ کرنے کی تدبیریں سوچتے رہے، انھوں نے بتایا کہ ان کے لیے اپنے

ساتھی شہیدوں کی لاشوں کی واپسی ایک چیلنج ہے، اور وہ دشمن کے اس چیلنج کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ رات کو یہ لوگ دشمن کے اتنے قریب تھے کہ انہیں کی گفتگو صاف سنائی دے رہی تھی، انھوں نے بتایا کہ ہمارا ہدف فی الحال تو اس مورچے کو فتح کرنا ہے جس میں ہمارے دو شہیدوں کی لاشیں پڑی ہیں اس کے بعد عام حملے کا پروگرام ہے جو گردیز سے شمالی جانب والے بڑے مورچے "ٹرو خان" پر کیا جائے گا۔ اس مورچہ کے فتح ہو جانے سے دشمن کی تمام قوت ختم ہو جائے گی اور شہر فتح ہو جائیگا۔

تھوڑی دیر کے بعد مولانا سرفراز صاحب کے ذریعے ہمیں محترم امیر صاحب اور کمانڈر صاحب کا پیغام ملا کہ تمام مہمان اگلے مورچے پہ جانے کے لیے تیار ہو جائیں جس کا مقصد یہ تھا کہ اس جنگ میں ہماری عملی شرکت ہو جائے۔ تمام احباب بخوشی اس کے لیے پہلے ہی تیار تھے۔ مولانا سرفراز اور ایک مجاہد ہماری رہنمائی کے لیے ہمارے ہمراہ روانہ ہوئے اور پھر ہم ایک سیدھے قطار میں اگلے مورچے کے لیے روانہ ہو گئے۔

تقریباً دس منٹ کے سفر کے بعد ہم محاذ جنگ پر تھے۔ اس جگہ ایک بڑی انٹی ائیر کرافٹ گن، جسے مقامی لوگ "دوشکہ" کہتے ہیں، نصب تھی۔ اس سے بیک وقت کئی کئی فائر نکلتے تھے۔ ہمیں ساتھ کے مکانوں میں پہنچایا گیا اور اس مورچے کے کمانڈر سے ملوایا گیا اور ہماری آمد کی غرض وغایت بیان کی گئی انھوں نے بتایا کہ چونکہ یہ مورچہ دشمن کے بالکل سامنے ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ دو دو افراد باری باری جاکر فائر کریں، چنانچہ تمام دوستوں نے باری باری دشمن پر فائر کرنے کی سعادت حاصل کی سب سے آخر میں میری اور ضمیر صاحب کی باری تھی۔ مجھے دو مرتبہ فائر کرنے کا موقع دیا گیا۔ دشمن پر جب اتنے تابڑ توڑ فائر ہوئے تو اس کی بھی جنگی رگ بیدار ہو گئی، چنانچہ جب یہ خاکسار سب سے آخر میں فائر کر کے واپس آنے لگا تو معاً دشمن کی طرف سے جواب آیا اور اگر مجاہدین کے کہنے پر میں نے اپنا سر نیچے نہ جھکا لیا ہوتا تو دشمن کے دوشکہ سے نکلی ہوئی گولیاں بھیجا پھاڑ چکی ہوتیں۔

جب ہم واپسی کے لیے روانہ ہوئے تو بمشکل ایک ایکڑ تک گئے ہوں گے کہ پیچھے سے لگاتار دو ٹینک کے گولے ہمارے سامنے اس راستے پر آکر پھٹے جہاں سے ہم گزر کر آئے تھے۔ یہ گویا کابل فوج کی طرف سے پنجابی مہمانوں کا استقبال تھا اور یہاں تو یہ روز کا معمول تھا۔

محاذ جنگ سے واپس آئے اور ناشتہ کیا تو ہم نے دیکھا کہ ایک روسی ٹرک درگئی مرکز کے

سامنے لبالب بموں کے خولوں سے لدا کھڑا ہے۔ پتا چلا کہ ہمیں اسی ٹرک پر بٹھا کر پہنچایا جائیگا۔ مجاہدین نے بتایا ہے کہ یہ ٹرک اُنہیں خوست کے مال غنیمت میں سے ملا تھا۔ نئے اور پُرانے تمام مجاہدین نے مل کر ٹرک کو خالی کیا اس عمل میں، ہمیں بھی شرکت کا موقع ملا۔ ٹرک خالی ہُوا تو اُس کے انجن میں ایک خرابی پیدا ہوگئی جسے ڈرائیور نے بمشکل ایک بجے تک دُور کیا۔ اس عرصے میں در گئی مرکز کے آس پاس مجاہدین کی ٹریننگ دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ ٹریننگ دو حصّوں میں ہو رہی تھی ایک مبتدی مجاہدوں کی اور دوسری پُرانے مجاہدوں کی، یہ منظر بڑا دلچسپ تھا۔ ہمارے نوجوان دوست کمانڈر محمد الیاس نے آتے ہی اپنی ٹریننگ کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔

ٹرک تقریباً ایک بجے کے قریب تیّار ہو کر چلا، ڈرائیور اسے جس راستے سے لے کر جا رہا تھا وہ راستہ گردیز کی شمالی پہاڑیوں کے دامن سے ہو کر گزرتا ہے۔ راستے میں کئی بستیوں سے بھی گزرنا پڑا ہم نے دیکھا کہ ان بستیوں میں جنگ کے اثرات بہت کم ہیں۔ راستے میں جگہ جگہ انگوروں کی بیلیں اور پھلوں کے باغات نظر آئے۔ بعض جگہوں پر ہم نے لوگوں کو اپنی فصلوں کو آبیاری کرتے ہوئے پایا۔ ہمیں مرکز میں بتایا گیا تھا کہ یہاں انگور بہت سستا ہے یعنی تقریباً پاکستانی ۳ روپے کلو، مگر اس وقت اُن کا موسم ختم ہو چکا تھا۔ ہم ابھی ان نظاروں میں اور مجاہد ساتھی کی مجاہدانہ باتیں سننے میں محو تھے کہ اچانک ایک نئی افتاد آن پڑی وہ یہ کہ اذراکیل (ٹرک) خاموش ہوگیا۔ ہم نے سوچا، اب مارے گئے۔ بھلا پانچ آدمی اس کو کیسے دھکا لگائیں گے؟ مگر خدا کی شان کہ جو ٹرک ۲۰ مجاہدوں کے دھکوں سے سٹارٹ ہوتا تھا۔ وہ ہم پانچ آدمیوں کے دھکے سے سٹارٹ ہوگیا۔ غالباً ٹرک کو ہماری حالت پر ترس آگیا تھا۔

تقریباً اڑھائی گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد لگ بھگ $3\frac{1}{2}$ بجے ہم اپنی منزل مقصود یعنی کلال کوہ پہنچ گئے۔

کلال کوہ درحقیقت مختلف سڑکوں کا ایک سنگم تھا، جسے ہمارے ہاں موڑ کہتے ہیں۔ یہاں مکانات تو چند ایک تھے مگر ہوٹلوں اور ورکشاپوں کی وجہ سے یہاں رونق اور چہل پہل نظر آتی تھی وہاں ہمیں ٹرک اور ڈاٹسن گاڑیاں تو بہت نظر آئیں مگر ان میں میر انشاہ جانے والی گاڑی کوئی نہ تھی۔ ہمارے ٹرک کے ڈرائیور محمد شبیر صاحب نے ہر چند ہمارے لیے گاڑی کے حصول کے لیے

بہت کوشش کی مگر سائے ڈھل جانے کی بنا، پر ہمیں کوئی گاڑی نہ ملی، یہاں سے ہمیں پورے محاذِ جنگ کا نقشہ نظر آتا تھا۔ پتہ چلا کہ "سروڑی" مرکز پر مجاہدین اور کابلی فوج کے درمیان جو گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی جس میں بڑی تعداد میں لوگ زخمی یا شہید ہوئے تھے۔ اس کی بنا پر اس روٹ کی تمام گاڑیاں اس روز (مورخہ ۲۰ اکتوبر) کو شہداء اور زخمیوں کو لے کر جا رہی ہیں۔

ہمارے دیکھتے دیکھتے شہیدوں اور زخمیوں سے بھری ہوئی کئی ایمبولینسیں اور ڈاٹسن گاڑیاں یہاں سے گزریں جن میں کمبلوں اور بستروں میں لپٹی ہوئی شہداء کی لہو رنگ لاشیں رکھی تھیں۔ ______________ کچھ دیر بعد ایک ٹرک آیا جس میں آٹھ لاشیں تھیں۔ پتہ چلا کہ یہ ایک خاندان کے لوگ تھے۔ جو ایک پہاڑی پر سفر کرنے کے دوران گاڑی سمیت لڑھک گئے اور موت نے اُن سب کو شکار کر لیا۔ اموات اور شہداء کی کثرت کے باوجود، یہاں کوئی افرا تفری اور غیر معمولی ہلچل نظر نہ آئی۔ رات گئے تک یہاں یہ مناظر نظر آتے رہے۔

کلال کوہ میں "کاریز" سے پانی لینے کا وہی سلسلہ جاری رہا جو ہم نے "سروکئی مرکز" پر دیکھا تھا۔ ہم نے یہاں وضو کر کے عصر، مغرب، عشا اور فجر کی نمازیں ادا کیں۔

ازرا کیل کا ڈرائیور محمد شبیر جلد ہی ہوٹل والے کو ہمارا خیال رکھنے کا کہہ کر چلا گیا اس لیے کہ اسے جلد محاذ پر پہنچنا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس علاقے میں نامور مجاہد نصر اللہ منصور کی حکومت ہے، جس کی بنا پر وہاں امن و امان کی صورت حال قابلِ رشک تھی۔ مولانا نصر اللہ منصور بعد میں آپس کی خانہ جنگی کے دوران جاں بحق ہو گئے، اللہ تعالیٰ اُنہیں غریقِ رحمت کرے۔ افغان جہاد میں اُن کا کردار ناقابلِ فراموش رہا ہے۔

ہوٹل والا مولانا کا خصوصی طور پر معتقد تھا اسی لیے اس نے ہوٹل میں مولانا کی ایک خوبصورت تصویر آویزاں کر رکھی تھی۔ اُس نے جب یہ سُنا کہ ہم لوگ پاکستان سے آئے ہیں تو اُس نے بڑی خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا، مگر شومیِ قسمت سے وہ اُردو وغیرہ بالکل نہ جانتا تھا، انتہا یہ کہ یہاں کے لوگ فارسی سے بھی نابلد تھے۔

ہوٹل میں ہم نے دوپہر، اور رات کا کھانا کھایا اور صُبح کا ناشتہ کیا۔ یہ "ہوٹل" کیا تھا ہمارے ہاں تندوروں پر جس طرح روٹیاں بیچی جاتی ہیں اُن میں اور اس میں صرف اتنا فرق تھا کہ اس

ہوٹل میں بیٹھنے کے لیے باقاعدہ چھت ڈالی ہوئی تھی۔ یہاں کھانے کا فرشی انتظام تھا، پانی پینے کے لیے بڑے بڑے مگ چھت میں لٹکائے ہوئے تھے۔ یہ پانی اسی کاریز سے لایا جاتا تھا جہاں سب لوگ وضو کرتے، برتن دھوتے اور دوسری ضروریات پوری کرتے تھے لیکن یہاں صاف وشفاف پانی کا کوئی تصوّر نہ تھا۔ اس لیے اسی پانی کو غنیمت جاننا پڑا۔ رات کو ایک ٹرک آیا تو مَیں نے اس کی طرف جست لگائی، احباب میری تیزی پر خوب ہنسے، ٹرک میں جگہ بھی تھی اور ہم نے جانا بھی ضرور تھا، مگر چونکہ حالات مخدوش تھے اس لیے، ہم اس میں سوار نہ ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک ڈاٹسن گاڑی آتی نظر آئی اس سے بات کی تو اس نے کہا کہ ہاں وہ میرانشاہ جاتے گی ہم نے اپنی پیشگی بکنگ کرائی اور رات کو اسی ہوٹل میں فرشی بستر پر لیٹ گئے۔

جیسے جیسے رات بڑھتی گئی اس ہوٹل کی رونق دوبالا ہوتی گئی، حتیٰ کہ وہ لوگوں سے کچھا کھچ بھر گیا، ہمارے پاس رات کو اُوپر لینے کے لیے کوئی کپڑا نہ تھا لیکن اس کے باوجود سردی محسوس نہ ہوئی اجنبی ماحول اور غیرمانوس جگہ ہونے کے باعث مجھے تو پھر شب بیداری کرنا پڑی، البتہ حافظ عبیداللہ صاحب اور بھائی محمد یٰسین کے مابین خراٹوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔

۲۱۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء

اگلا دن ہماری واپسی کا دن تھا۔ گاڑی تقریباً ساڑھے آٹھ بجے چلی۔ ڈرائیور بڑا مشتاق اور ماہر تھا، اسی لیے اُس نے کچے پکے اور اُونچے نیچے راستوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے ہمیں دس گھنٹے میں میرانشاہ پہنچا دیا۔ راستے میں ایک جگہ ہم نے رک کر کھانا کھایا اور نماز ظہر پڑھی۔ میرانشاہ سے جلدی جلدی ویگن لی جو اس روٹ پر چلنے والی دن کی آخری ویگن تھی، رات کو چھ بجے بنوں پہنچے، رات ہم نے ایک ہوٹل میں گزاری۔ یہیں سے ہم نے گھر والوں کو بخیریت واپسی کی اطلاع دی جو ہماری گمشدگی پر پریشان تھے۔

۲۲۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء

۲۲ اکتوبر کو علی الصبح بنوں سے چلے اور رات کو مغرب کے قریب لاہور پہنچے، اس طرح ہمارا یہ سفر چھ دنوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچا، مگر ان چھ دنوں میں، ہم نے جو کچھ دیکھا وہ ہمارے حافظے کا بہترین اثاثہ ہے۔

<u>نتائج</u>: راقم الحروف نے اپنے اس سفر سے جو نتائج اخذ کیے وہ حسب ذیل ہیں۔

① افغان جہاد میں مجاہدین کا جذبہ اور اُن کی زندگی کے شب و روز روح پرور نظارہ پیش کرتے تھے، ان لوگوں کو دیکھ کر، قرونِ اولیٰ کے مُسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی اور اُن کے جذبوں کی جھلک نظر آتی تھی، فی الواقع اس جنگ میں جن لوگوں کو ملنے اور دیکھنے کا اتفاق ہُوا اُن میں نام و نمود یا مالِ غنیمت کے حصول کا جذبہ کہیں بھی موجود نہ تھا۔ تمام مجاہد جذبہ جہاد سے سرشار اور حصول شہادت کے متمنی تھے۔ ہر ایک کے خُون میں حُبِّ خدا اور حُبِّ رسول کا جذبہ سرایت کیے ہُوئے تھا۔

اس لیے یہ لوگ جنگ میں روایتی دفاعی ہتھیاروں کے بجائے صرف ذاتِ خداوندی پر اعتماد کرتے تھے،، ہم نے گردیز میں مجاہدین سے پُوچھا کہ آپ لوگ جنگ میں خَود استعمال کیوں نہیں کرتے اُنھوں نے کہا پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں خَود میسّر نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت بھی نہیں اس لیے کہ ہم جنگ بچاؤ کے لیے نہیں بلکہ شہادت کے لیے کر رہے ہیں۔

② مجاہدین کے پاس ضروری وسائل کی بے حد کمی تھی۔ ہمیں ہمارے مجاہد بھائیوں نے بتایا کہ دُشمن کے مقابلے میں ہمارے پاس دو چیزوں کی بے حد کمی ہے، اوّلاً: طیّاروں کی اور ثانیاً ٹینکوں کی یہ دونوں چیزیں اُن کے پاس نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اس کے باوجود اُنھوں نے کبھی اس جنگ سے مُنہ موڑنے کا بہانہ نہیں بنایا۔

سامانِ جنگ تو دُور کی بات ہے ان حضرات کے پاس تو خورد و نوش کی ضروری اشیا بھی موجود نہ تھیں۔ ہم نے دیکھا کہ ایک وقت روٹی پکتی ہے اور تین تین وقت اسی کو صبر و شکر کے ساتھ کھایا جا رہا ہے۔ سالن کی جگہ رنگدار پانی زیرِ استعمال ہے۔ مجاہدین کے کپڑے پھٹے ہُوئے اور پیوند زدہ ہیں۔ بیماروں کے لیے علاج معالجے کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ سونے کے لیے فرش استعمال تھا۔ الغرض زندگی کو کوئی سہولت میسّر نہ تھی اُوپر سے دُشمن کے حملے اور جہاد میں زخمی یا مقتول ہونے کا خطرہ الگ، ان تمام باتوں کے باوجود یہ لوگ محاذِ جنگ پر جمے ہُوئے تھے اور کسی قسم کی کمزوری ان کے ہاں نظر نہ آتی تھی۔ اس سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے کہ مجاہدین روپے پیسے کے لالچ میں جنگ کرتے رہے اور یہ کہ امریکہ اور سعودی عرب نے ان کو بہت نوازا ہے۔

③ افغان جہاد میں دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء کا کردار ناقابلِ فراموش ہے اپنے افغان بھائیوں

کے دوش بدوش پاکستان کے طول وعرض سے دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کرام نے جس جوش جذبے اور ولولے کا مظاہرہ کیا اُس کی مثال بہت کم دیکھنے میں آتی ہے افغانستان میں جاکر معلوم ہُوا کہ پاکستانیوں کو افغانی اپنا کٹر دُشمن سمجھتے ہیں اُنھوں نے ایک پاکستانی کی گرفتاری پر پانچ لاکھ افغانی کا انعام مقرر کر رکھا تھا۔ جنگ میں پاکستانی طلبہ اور اساتذہ فتح یا موت تک لڑتے تھے۔ ہتھیار ڈالنا اُن کی ڈکشنری میں شامل ہی نہ تھا۔ اس جماعت نے چھوٹے بڑے کئی مورچوں کے علاوہ صوبہ ارغون تنِ تنہا فتح کیا جو اس جماعت کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔

④ افغان جنگ کی ایک بہت بڑی کمزوری یہ دیکھنے میں آئی کہ مختلف تنظیموں کا آپس میں رابطہ بہت ہی کمزور تھا۔ اور اکثر اوقات اس کی بنا پر کئی کئی دن حملہ ملتوی رہتا تھا اور حملے میں بھی مجاہدین کا نقصان زیادہ ہوتا تھا۔ ہمارے وہاں پہنچنے سے چند روز قبل ایک حملے میں حرکۃ کے جو ۷ نوجوان شہید ہُوتے اس کی وجہ محض یہ تھی کہ دوسرا گروپ مخالف سمت میں بروقت اُن کی مدد کو نہ پہنچ سکا تھا۔ یہ صورت حال جنگ کے دوران تو نقصان دہ تھی ہی، جنگ کے بعد تو یہ اختلافات باقاعدہ باہمی جنگ کی شکل میں نمایاں ہوکر سامنے آرہے ہیں جس سے افغان مسئلے کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔

⑤ مرکزیت کا فقدان

اس کے علاوہ ان مختلف جماعتوں کے مراکز مختلف تھے اور اُن کا کوئی ایسا مرکز موجود نہ تھا، جو ان کو کنٹرول کر سکتا۔ اسی بنا پر مجاہدین سے ایسے کام کروائے گئے۔ جس نے مستقبل میں انہیں بڑا نقصان پہنچایا، مثلاً جلال آباد پر ان کا حملہ ان کی ایک عسکری غلطی تھی جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا۔ ہمارے خیال میں افغانستان کی یہ جنگ ایک تجربہ تھا۔ مستقبل میں اس تجربے سے بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

دار الافتاء
جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد
مُدرّس و نائب مُفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک فرد یا کچھ افراد یا کوئی تنظیم ٹورنامنٹ انعقاد کا اعلان بذریعہ پوسٹر یا پمفلٹ کرتی ہے ، اِن پوسٹرز پر ٹورنامنٹ کے قواعد وضوابط درج ہوتے ہیں ، اس ٹورنامنٹ کو کھیلنے کیلئے ہر ٹیم کو ایک مخصوص رقم جو کہ انتظامیہ مقرر کرتی ہے ناقابلِ واپسی کی صورت میں جمع کروانی ہوتی ہے ٹورنامنٹ کھیلنے والی مختلف ٹیموں کو مختلف میچ جو بذریعہ قرعہ اندازی منعقد کیے جاتے ہیں کھیلنا ہوتے ہیں اِن میچوں کے ذریعے پہلے، دوسرے اور تیسرے نمبر پر آنے والی تین ٹیموں کو منتخب کرکے اعلان شدہ انعامات دیئے جاتے ہیں انعامات رقم یا کپ یا دونوں ہوتے ہیں انعامات کی ادائیگی درج ذیل طریقوں پر کی جاتی ہے ،

نمبر۱۔ ٹورنامنٹ انتظامیہ مختلف ٹیموں میں سے حاصل شدہ رقوم میں سے کچھ رقم اس ٹورنامنٹ کے انعقاد پر خرچ کی جاتی ہے اور کچھ رقم سے انعام یافتہ ٹیموں کو انعام دیا جاتا ہے باقی ماندہ رقم انتظامیہ رکھ لیتی ہے ،

نمبر۲۔ مختلف ادارے یا کچھ افراد اپنی یا اداروں کی تشہیر کیلئے ٹورنامنٹ انتظامیہ کے ساتھ مالی تعاون کرتے ہیں (مالی تعاون میں انعامات کی رقوم اور انتظامات کے لیے اشیاء بھی شامل ہوتی ہیں) انتظامیہ ٹیموں سے حاصل شدہ رقوم اور افراد یا اداروں سے لیے گئے تعاون کی کل رقم میں سے انعامات اور اخراجات سے زائد رقم انتظامیہ خود رکھ لیتی ہے ، کیا اس طرح کا ٹورنامنٹ کا انعقاد اور کھیلنا اور دیکھنا جائز ہے یا نہیں ،

الجواب باسم ملهم الصواب حامداً ومصلیاً

فی الوقت کونسا ٹورنامنٹ ایسا ہے جو قبائح و معاصی پر مشتمل نہ ہو۔ کرکٹ اور ٹیبل ٹینس وغیرہ تو ناجائز کھیل ہیں نہ فٹ بال اور ہاکی میں ستر کا پردہ نہیں کیا جاتا۔

علاوہ ازیں آجکل کھیلوں میں کھیل اور تماشہ محض لہو و لعب کے طور پر ہوتا ہے، جسمانی ضرورت یا جہاد کی تیاری مدِ نظر نہیں ہوتی،

اگر جہاد کی تیاری کے طور پر جسمانی مشقت کے کھیل ہوں جن میں ستر اور نمازوں کا اہتمام وغیرہ ہو تو ٹورنامنٹ یا مُقابلہ بھی منعقد کرایا جاسکتا ہے، اس میں نمبر۲ صورت بلاشبہ جائز ہے اور نمبر۱ صورت ناجائز ہے، کیونکہ اس میں یا تو قمار و جُوا ہو گا یا اجارہ فاسدہ ہو گا، اجارہ فاسدہ اس وقت جب ہم یہ خیال کریں کہ ٹیموں نے منتظمین کو اپنا اجیر بنایا ہے، اور یہ شرط رکھی ہے کہ وہ جیتنے والوں کو اپنے پاس سے انعام دیں گے، چونکہ یہ شرط فاسد ہے لہٰذا اجارہ فاسد ہُوا، قمار اس وقت ہو گا جب یہ خیال کیا جاتے کہ انعام کی رقم گویا علیحدہ دی اور اُجرت علیحدہ دی، یعنی جو کُل رقم دی اس میں کچھ حِصّہ اُجرت کا ہے اور کچھ حِصّہ انعام کیلئے ہے اور انعام کی رقم منتظمین کے پاس بطور امانت آئی،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

○

انتقال پرملال

گزشتہ ماہ جناب مولانا سعید الرحمان صاحب علوی جو مسجد الشفاء شادمان کے خطیب بھی تھے، اپنے آبائی وطن بھیرہ ضلع سرگودھا میں دِل کا دورہ پڑنے سے وفات پاگئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحوم بہت سی خُوبیوں کے مالک تھے، اُن کی کمی کافی عرصہ محسوس کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی لغزشوں سے درگزر فرماتے ہُوئے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے آمین

(ادارہ)

قسط ۴، آخری

مضامینِ علمیہ

"اصلاح مفاہیم"
پر ایک نظر

کتاب "اصلاح مفاہیم" جو کہ تبصرہ کے لیے بھیجی گئی تھی قارئین اس پر تبصرہ — پڑھ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا کا مصداق ہے۔ یعنی یہ کہ اس میں نفع کم ہے اور نقصانات زیادہ ہیں۔ لہٰذا ہم اس کتاب کے ناشرین سے بجا توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کتاب کی نشر و اشاعت سے لِلّٰہ فی اللہ اجتناب کریں گے

مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب

④ اہلِ قبور سے اس طرح استمداد کہ میرے لیے فلاں چیز کی دُعا کر دیجیے یا سفارش کر دیجیے۔

مولانا یوسف لدھیانوی مدظلہ فرماتے ہیں۔

"اس کا حکم یہ ہے کہ جو حضرات اس دُنیا میں تشریف فرما ہیں ان سے دُعا کی درخواست کرنا تو عین سُنّت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک مسلمان ایک دوسرے کو دُعا کے لیے کہتے آئے ہیں۔ رہے وہ اکابر جو اس دُنیا سے تشریف لے گئے ہیں اُن کی قبر پر جاکر اُن سے دُعا کی درخواست کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اس کو سمجھنے کے لیے چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

اوّل یہ کہ کسی کو خطاب کرنا اسی صورت میں صحیح اور معقول ہو سکتا ہے جبکہ وہ ہماری بات سُنتا بھی ہو۔ یہ مسئلہ کہ قبروں میں مُردے سُنتے ہیں یا نہیں۔ ہماری کتابوں میں سماعِ موتٰی کے عنوان سے مشہور ہے اور اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے زمانے سے اختلاف چلا آتا ہے بعض اس کے قائل ہیں اور بعض انکار کرتے ہیں۔ دونوں طرف بڑے بڑے

اکابر ہیں۔ اس لیے اس مسئلے کا قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو اس میں کسی ایک جانب کو قطعی حق اور دوسری جانب کو قطعی باطل قرار دینا ممکن نہیں۔ پس جو حضرات سماع موتی کے قائل ہیں اُن کے نزدیک مردوں کو خطاب کیا جا سکتا ہے اور جو قائل نہیں اُن کے نزدیک مردوں کو خطاب کرنا ہی درست نہیں۔

دوم یہ کہ آیا سلف صالحین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اہلِ قبور سے دُعا کی درخواستیں کیا کرتے ہوں یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو حضرات سماع موتی کے قائل نہیں تھے اُن کا معمول تو ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا تھا اور جو حضرات اس کے قائل تھے۔ ان میں سے بھی کسی کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ اُن کا یہ معمول رہا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا۔

یا اخی لا تنسنا من دعائك میرے بھائی ہمیں اپنی دُعا میں نہ بھولنا۔

(مسند احمد ص ۳۹ ج ۱)

مگر آپ صلّی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپؐ نے کسی نبی و صدیق کی قبر پر جا کر اُن سے دُعا کی فرمائش کی ہو۔ اسی طرح صحابہؓ و تابعین بھی ایک دوسرے سے دُعا کی درخواست کیا کرتے تھے مگر کسی سے یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے کسی شہید کی قبر پر جا کر ان سے دُعا کی درخواست کی ہو۔

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کے فتاویٰ میں ہے۔

استمداد از اموات خواہ نزدیک قبور باشد یا غائبانہ بے شبہہ بدعت است در زمانہ صحابہ و تابعین نہ بود لیکن اختلاف است در آں کہ ایں بدعت سیئہ ست یا حسنہ۔

مردوں سے مدد طلب کرنا خواہ اُن کی قبروں پر جا کر کی جائے یا غائبانہ بلاشُبہہ بدعت ہے۔ صحابہ و تابعین کے زمانے میں یہ معمول نہیں تھا، لیکن اس میں اختلاف

ہے کہ یہ بدعت سیئہ ہے یا حسنہ۔

سوم یہ کہ جب اس کے جواز و عدم جواز میں بھی کلام ہے اور سلف صالحین کا معمول بھی یہ نہیں تھا تو کیا اس کو مستحسن سمجھ کر اس کی اجازت دے دی جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی چیز بدعت کہلاتی ہے۔ اسی بناء پر حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کو بلا شبہہ بدعت است فرمایا... مختصرًا اتنا عرض کر دیتا ہوں کہ جن چیزوں کو سلف صالحین نے مستحسن نہیں سمجھا اس میں ما و شما کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایسے امور کے بارے میں امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرّہٗ کا ارشاد ہے کہ

ایں فقیر در ہیچ بدعت ازیں بدعتہا حسن و نورانیت مشاہدہ نمی کند و جزء ظلمت و کدورت احساس نمی نماید (مکتوبات امام ربانی صفحہ ۱۸۶ مکتوب دفتر اوّل)	یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حُسن و نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا اور بدعتوں میں سوائے ظُلمت و کدورت اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی کہ ہر نئی چیز (جو دین کے نام سے ایجاد کی جاتی ہے) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے" نقل کر کے حضرت مجددؒ فرماتے ہیں۔

ہر گاہ ہر محدث بدعت است و ہر بدعت ضلالت پس معنی حسن در بدعت چہ بود؟	جب ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے پس بدعت میں حُسن و خُوبی کے کیا معنی۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ ساری بحث غیر انبیاء میں ہے۔ انبیاء کرام علیہم السّلام۔ خصوصًا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں میرا عقیدہ حیات النبی کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر صلاۃ و السّلام پڑھنے اور شفاعت کی درخواست کرنے کا مسئلہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے۔ اس لیے جس سعادت مند کو بارگاہِ نبوّت کے آستانہ عالیہ پر حاضری نصیب ہو وہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں دُعا اور شفاعت کے لیے درخواست کرے تو میں اُسے جائز بلکہ مستحسن سمجھتا ہوں

کیا انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ نے تصرف کرنے کی قدرت دے رکھی ہے۔

ویسے تو قرآنِ پاک اور احادیث نبویہ میں بکثرت نصوص موجود ہیں جن سے حقیقت حال پر واقفیت ہوتی ہے لیکن ہم یہاں چند ایک حوالجات نقل کرتے ہیں جو صریح اور غیر مؤوّل ہیں۔

۱۔ مولانا یوسف لدھیانوی مدظلہ لکھتے ہیں۔

"قرآن کریم حدیثِ نبوی اور عقائدِ اہلِ سُنّت میں اس عقیدے کی کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے کل یا بعض اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو یا کسی اور کو دیے ہیں۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ پوری کائنات کا نظام صرف اور صرف اللہ تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔ موت وحیات، صحتِ مرض، عطاء و بخشش سب اسی کے ہاتھ میں ہے ... کسی نبی و ولی اور صدیق و شہید نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اسے کائنات میں تصرف کا حق دے دیا گیا ہے۔"

(ص ۳۴ اختلاف اُمّت اور صراط مستقیم)

۲۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ کُفر کی رسموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و در تصرف در کائنات جزئیہ مانند کشادہ کردن رزق و دادن اولاد و دفع امراض و تسخیر ارواح و مانند آں بکار می آیند ایں خود شرک صریح است و دریں مقام عذرے نیست۔

(فتاویٰ شاہ رفیع الدینؒ، ص: ۷)

اور جزئی حادثات کے تصرف میں مثلاً رزق کشادہ کرنا اور اولاد دینا اور امراض کا دور کرنا اور ارواح کو مسخر کرنا اور انکی مانند اور اشیا میں ان رسوم پر عمل کرتے ہیں اور یہ کارروائی خود صریح شرک ہے۔ اس مقام میں کوئی عذر نہیں ہے۔

گویا شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک جزوی تصرف بھی شرک صریح ہے۔

(دل کا سرور ص ۳۹ ۔ مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ)

پچھلے صفحات میں ہم نے مصنف کی یہ عبارت نقل کی تھی۔

"ایک اور جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کرتے ہیں تو آپ ان کی حاجت برآری فرماتے ہیں۔ بلکہ ایک موقع پر دو معاملوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا فرماتے ہیں کہ یا تو مصیبت پر صبر کرلو تو میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں یا مصیبت

کو فوراً ختم کیے دیتا ہوں جیسا کہ نابینا صحابی رضؓ کے ساتھ پیش آیا اور اس عورت کے ساتھ پیش آیا جس کو مرگی ہوئی تھی اور حضرت قتادہ جن کی بینائی زائل ہوگئی تھی ان کو بھی اختیار دیا گیا۔" (صلا۲ اصلاح مفاہیم)

ہم افسوس کے ساتھ یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ مصنّف نے یہاں علمی خیانت کی ہے جس کے خوف ناک نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ بعض لوگ مصنف مترجم اور ناشرین پر اعتماد کرتے ہوئے غلط بات کو اپنا عقیدہ بنا سکتے ہیں۔

جس عورت کو مرگی کی تکلیف تھی اس کا قصّہ یُوں ذکر ہے۔

عن عطاء بن ابی رباح قال قال لی ابن عباس الا اریك امرأة من اهل الجنة قلت بلی قال هذه المرأة السوداء اتت النبیؐ فقالت یا رسول الله انی اصرع و انی اتکشف فادع الله فقال ان شئت صبرت و لك الجنة و ان شئت دعوت الله ان یعافیك فقالت اصبر فقالت انی اتکشف فادع الله ان لا اتکشف فدعا لها متفق علیہ۔

(مشکوٰۃ فصل ثالث باب عیادۃ المریض)

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے مجھ سے کہا کہ کیا میں تمہیں جنتی عورت نہ دکھاؤں۔ مَیں نے کہا کہ کیوں نہیں (ضرور دکھائیے) اُنھوں نے فرمایا کہ یہ حبشی عورت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئی اور کہا کہ مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرا ستر کھل جاتا ہے تو آپ اللہ سے دُعا کیجیے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو صبر کر لو (اس پر) تمہارے لیے جنت ہوگی اور اگر تم چاہو تو مَیں اللہ سے دُعا کر دُوں کہ وہ تمہیں عافیت (صحت) دے دیں۔ اس عورت نے کہا کہ میں صبر کروں گی (البتہ) آپ اتنی دُعا فرما دیجیے کہ میرا ستر نہ کھلے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ دُعا فرما دی۔

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ روایت پوری موجود ہے۔ مصنف نے جس بات کا دعویٰ کیا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ اختیار دیا کہ "یا تو صبر کر لو تو مَیں جنّت کی ضمانت دیتا ہُوں یا

مصیبت کو فوراً ختم کیے دیتا ہوں" اس کی صراحت تو کیا اشارہ بھی نہیں ملتا۔ اس کے برعکس روایت کے مطابق عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا کی درخواست کی جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یا تو صبر کر لو (اور اس صبر کے بدلے میں) اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائیں گے۔ (اس میں جنت کی ضمانت دینے کا معنی خود مصنف کا اپنا اختراعی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اس کا محتاج و مقتضی نہیں ہے۔) یا چاہو تو میں اللہ تعالےٰ سے تمہارے لیے صحت کی دُعا کر دوں۔ (کہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں تمہارے لیے دُعا کر دوں اور کہاں مصنف کا یہ دعویٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں تمہاری مصیبت کو فوراً ختم کیے دیتا ہوں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر مصنف کے مزعومہ الفاظ فرمائے ہوتے تو اُن کی تاویل کی جاتی، لیکن مصنف ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو اور ہی معنی دے کر تعبیر و کلام ہی کو بدل رہے ہیں۔

اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ان شئت رددتھا و دعوت اللہ (اگر تم چاہو تو میں آنکھ کے ڈھیلے کو اس کی جگہ رکھ کر اللہ سے دُعا کروں کہ وہ صحیح کر دیں) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت یہی میری آرزو ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کے ڈھیلے کو اُٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ کر دُعا کی اللھم اکسہ جمالا یعنی اے اللہ اس کی آنکھ کو جمال اور روشنی عطا فرما۔

(دل کا سرور ص۱۵۸ مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ)

اس قصہ میں بھی ہمیں کوئی بھی تو ایسی بات نہیں ملتی جس سے مصنف کا دعویٰ ثابت ہوتا ہو۔ ہمیں تو یہ ڈر ہے کہ مصنف کا یہ عمل کہیں اس حدیث کا مصداق نہ بن جائے کہ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار (یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ گھڑا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے)

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے صوفیاء کا اصطلاحی تصرف ثابت ہے؟

یہاں یہ وضاحت کر دینا مناسب ہوگا کہ توجہ باطنی کے ذریعے دوسرے شخص پر کوئی

اثر ڈالنے کو صوفیہ کی اصطلاح میں تصرف و توجّہ اور ہمّت وغیرہ کہا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کوئی یہ وہم کرے کہ مصنّف نے جہاں کہیں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے تصرف کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد مصطلحِ صوفیہ ہو۔ تو اس خیال کو دفع کرنے کے لیے ہم کہتے ہیں کہ اوّل تو متعلقّہ تمام مذکورہ بالا اقتباسات کے مطالعہ کرنے کے بعد کسی کے لیے ایسا وہم کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے رسالہ التعرف فی تحقیق التصرف میں فرماتے ہیں۔

"نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے نقل صحیح کے ساتھ یہ منقول ہے کہ آپ نے بعض لوگوں کے سینہ پر ہاتھ مارا جس سے اُن کا وسوسہ جاتا رہا اور بعض بیماروں کے بدن پر دستِ مُبارک پھیرا جس سے اُن کا مرض جاتا رہا۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوگیا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تصرف کا استعمال فرمایا... لیکن جب غور سے دیکھا جائے تو یہ استدلال تام نہیں ہے کیونکہ عمل تصرف ہونا اس کا محتاج ہے کہ نقل صحیح سے یہ ثابت ہو کہ آپ نے اپنی باطنی قوّت کو ان آثار کے پیدا کرنے کے لیے جمع فرمایا ہو اور یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے یہ افعال اس بناء پر کیے ہوں کہ آپ کو بذریعہ وحی ان افعال کا ان لوگوں کے حق میں بدون جمع خواطر و استعمال تصرف نافع و مفید ہونا معلوم ہوگیا ہو اور اس احتمال کی بنا پر یہ افعال اصطلاحی تصرف میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام علمائے اُمّت نے ان واقعات کو معجزات میں شمار کیا ہے جو کہ تصرف سے بالکل جُدا ہیں اور سب سے زیادہ واضح قرینہ اس بات پر کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کبھی تصرف صادر نہیں ہُوا یہ ہے کہ آپ نے ابوطالب کے قلب میں تصرف نہیں فرمایا باوجودیکہ آپ اُن کے ایمان لانے کے بہت زیادہ متمنی اور خواہش مند تھے، بلکہ ان کے لیے صرف دُعا اور دعوت دینے پر اکتفا فرمائی۔" (بوادر النوادر ص ۸۴۳)

(۳) خرق عادت چیزوں کی طلب پر کیا نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اُن کو پُورا کروانے پر قادر تھے

کتاب اصلاح مفاہیم کا متعلقہ اقتباس دوبارہ ملاحظہ فرمائیے۔

"... یہی حکم دوسری خوارق عادت چیزیں طلب کرنے کا بھی ہے جیسے بدون دوا کے پُرانے

مرض کو ٹھیک کر دینا اور ضرورت کے وقت بدون بادل کے بارش برسوا دینا۔ بعض اشیاء کی حقائق کو بدل دینا اور انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا کھانے کا زیادہ ہوجانا وغیر ذلک یہ اشیاء بھی عادۃً انسان کے بس کی نہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عند الطلب ایسا فرما دیا کرتے تھے اور ان سے یہ نہ فرماتے تھے کہ تم نے شرک کیا اسلام و ایمان کی تجدید کرو۔ اور اس مقام کی وضاحت یہ ہے کہ لوگ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ سے اپنی حاجات کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کرتے ہیں اور شفاعت و سفارش پر اللہ جل شانہ، نے قدرت دی ہے۔"

مصنّف نے خوارق عادت کے حکم کے لیے جس حکم کو نظیر بنایا ہے یعنی استعانت و استغاثہ کا حکم اس کو بھی دوبارہ ملاحظہ فرما لیجیے۔

"یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود ان اُمور کو نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کے حکم اور اللہ جل شانہ، کی عطا کردہ قوّت و قدرت سے پُورا فرما دیا کرتے تھے۔"

(ص۲۰ اصلاح مفاہیم)

تبصرہ مصنّف کے ان اقتباسات کا حاصل یہ ہے کہ خرق عادت چیزوں کے طلب کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ سے سفارش و شفاعت کرتے تھے۔ اور آپ کی طلب و دُعا قبول ہوتی تھی اللہ تعالیٰ آپ کو اس کام کو کرنے کی قدرت دے دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کو (پورا) فرما دیا کرتے تھے۔

قارئین نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ مذکورہ حاصل کے لیے ہم نے مصنّف کے کلام میں کوئی کھینچا تانی اور زبردستی نہیں کی بلکہ خود مصنّف ہی کا ان اُمور کے بارے میں فہم واضح نہیں ہے

خرق عادت یعنی معجزہ کے بارے میں اہل سُنت کا جو مذہب ہے وہ مصنّف کے مذہب سے بالکل مختلف ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اپنی کتاب "منصب امامت" میں خوارق عادات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"بیانش آنکہ حق جل و علا بقدرۃِ خود در عالم تکوین تصرفے عجیب و غریب بنا بر تصدیق مقبولے از مقبولانِ خود می فرماید نہ آنکہ قدرتِ صدورِ خرقِ عادت در او ایجاد می نماید و او را باظہارِ آں مامور می نماید حاشا وکلا قدرت در عالمِ تکوین از خواص قدرتِ ربانی است نہ از آثارِ قوتِ انسانی" (منصب امامت ص۳۱)

اس کا بیان بایں طور ہے کہ حق تعالیٰ اپنے مقبول بندوں میں سے کسی کی تصدیق کے لیے اپنی قدرتِ کاملہ سے عالمِ تکوین میں کوئی عجیب و غریب تصرف فرماتا ہے نہ یہ کہ خرقِ عادت کے صادر کرنے کی قدرت اس مقبول بندہ میں ایجاد کرتا ہے اور اس کو اس کے اظہار پر مامور کرتا ہے۔ حاشا وکلا معاملہ یوں نہیں ہے کیونکہ عالم تکوین کے اندر قدرت یہ تو محض قدرت ربانی کے خواص سے ہے نہ کہ قدرت انسانی کے آثار سے۔ (بحوالہ راہ ہدایت، مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ ص۳۷)

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنی کتاب خوارق عادات میں لکھتے ہیں۔

"یاد رکھو جس چیز کا نام ہم معجزہ رکھتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے جو اس کی عام عادت کے گو خلاف ہو مگر عادتِ خاصہ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے موافق ہوتا ہے کیونکہ خاص اوقات میں مخصوص مصالح کی بنا پر عام عادت کو چھوڑ کر خوارق و معجزات کا ظاہر کرنا یہ بھی حق تعالیٰ کی خاص عادت ہے۔" (ص۳۱)

نیز لکھتے ہیں۔

یاد رکھیے کہ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے اس کو نبی کا فعل سمجھنا سخت غلطی ہے (ص۳۲)

نیز ارقام فرماتے ہیں۔

"بلکہ جس طرح ہم قلم لے کر لکھتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلم لکھتا ہے اور فی الحقیقت اس کو لکھنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا یہی صورت معجزہ کی بھی ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ انبیاء جس وقت چاہیں انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیں بلکہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ مقتضی ہوتی ہے جاری ہو سکتے ہیں۔ (ص۳۳) (بحوالہ راہ ہدایت، ص۳۹)

ان حوالجات سے یہ بات بخوبی واضح ہوئی کہ اہلِ سنّت کے نزدیک خرق عادت امور یعنی

معجزات محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السّلام کو اُن کے صادر کرنے کی کوئی قدرت نہیں دی جاتی اور جو لوگ ان میں نبی کا تصرف مانتے ہیں (قطع نظر اس سے کہ وہ قدرت پہلے ہی اکٹھی دے دی گئی ہو یا ہر ہر معجزہ کے وقت خاص اس معجزہ کے لیے دی جاتی ہو) وہ اہلِ سُنّت نہیں بلکہ حکماء و فلاسفہ ہوتے ہیں۔ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

والنبی عندھم مجبول علی التصریف فی الاکوان مهما توجه الیها واستجمع لها بما جعل الله له من ذالك والخارق عندهم یقع للنبی۔

اور حکماء کے نزدیک نبی کوان میں تصرف کرتے ہیں جبکہ وہ اُن کی طرف توجہ کریں اور اُن کا ارادہ فرمائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو تصرف کرنے کا اختیار عطا کیا ہے۔ (بحوالہ راہ ہدایت صـ۴۳)

پھر مصنف کی بات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہر خارق عادت کے طلب کے وقت نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کو پُورا کروا دیا کرتے تھے۔ ایسی کوئی تفصیل ذکر نہیں کہ بعض اوقات پُورا کروا دیا کرتے تھے یا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا تھا اس وقت پُورا کروا دیا کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہوتا تھا تو اپنی عدم قدرت کے اور اللہ تعالیٰ کے عدم ارادہ کا اظہار فرما دیا کرتے تھے۔ حالانکہ خوارق عادت امور کا مطالبہ صرف کافروں کی جانب سے ہوتا رہا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب سے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہ مطالبہ کبھی نہیں کیا گیا کہ آپ خرق عادت فعل کر دیں۔ ہاں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دُعا کی درخواست کی جاتی تھی۔

جہاں تک کافروں کے خوارق عادت افعال کے مطالبہ کا تعلق ہے تو جب اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ ان کے صادر کرنے کی مقتضی نہیں ہُوئی تو باوجود اس کے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اس بات کے حریص تھے کہ کافر ایمان لے آئیں وہ معجزات وقوع میں نہ آتے۔ قرآن پاک میں ہے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ اور (اے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم) اگر آپ

عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ۔ (انعام رکوع ۴)

پر گراں ہے اُن کا منہ پھیرنا تو اگر آپ سے ہو سکے کہ ڈھونڈ نکالیں کوئی زمین میں سُرنگ کوئی سیڑھی آسمان میں پھر لائیں آپ اُن کے پاس کوئی معجزہ (تو لے آئیں۔)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

فتاتیھم بآیۃ مما اقترحوا فافعل المعنی انك لا تستطیع ذلك فاصبر حتی یحکم اللہ (جلالین)

پھر لے آئیں آپ اُن کے پاس کوئی معجزہ جو اُنھوں نے طلب کیا ہے تو لے آئیے۔ مطلب یہ ہے کہ بیشک آپ معجزہ لانے کی طاقت نہیں رکھتے تو آپ صبر کیجیے حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ صادر کرے۔

یہ مضمون اس امر کی واضح دلیل ہے کہ معجزہ لانا نبی کے بس میں نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسی کوئی ضمانت ہے کہ جب بھی عند الطلب نبی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش و شفاعت فرمائیں تو مطلوب معجزہ ضرور ہی ظاہر فرمادیا جائے۔

ہم نے اُوپر جو یہ، کہ خرقِ عادت اُمور کے مطالبہ کی روش کفار کی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نہیں تھی بلکہ وہ تو فقط دُعا کی درخواست کرتے تھے یا دُعا کے متمنی ہوتے تھے۔ اس کی دلیل میں، ہم چند واقعات ذکر کرتے ہیں۔

(۱) بدوں دوا کے مرض کا علاج۔

(الف) مرگی والی عورت کا قصّہ جو اُوپر مذکور ہوا۔

(ب) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا قصّہ جو اُوپر مذکور ہوا۔

(ج) عن ابن عباس قال ان امرأۃ جاءت بابن لھا الی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فقالت یا رسول اللہ ان ابنی بہ جنون و انہ لیأخذہ عند غدائنا و عشائنا فمسح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم صدرہ

ودعا فثعّ ثعّةً وخرج من جوفه مثل الجرو الاسود یسعی
(مشکوٰۃ باب المعجزات)

ایک عورت اپنے بیٹے کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس لائی اور کہا کہ یا رسول اللہ میرے بیٹے کو جنون ہے اور اس کا دورہ اُس کو صبح اور شام کے وقت پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بچّے کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو اس نے قے کی اور اس کے پیٹ میں سے سیاہ پلا نکلا جو دوڑتا تھا۔

۲ بارش کا برسنا

عن انس قال اصابت الناس سنة علی عهد رسول الله صلّی الله علیه وسلّم فبینا النبی صلّی الله علیه وسلّم یخطب فی یوم الجمعة قام اعرابی فقال یا رسول الله هلك المال وجاع العیال فادع الله لنا فرفع یدیه وما نری فی السماء قَزَعَةً فوالذی نفسی بیده ما وضعها حتی ثار السحاب امثال الجبال ... الخ
(مشکوٰۃ ص: ۵۳۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں قحط پڑا تو اس دوران کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ مال ہلاک ہو گئے اور عیال بھوکے ہو گئے آپ اللہ سے ہمارے لیے دُعا فرما دیجیے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (دُعا کے لیے) اپنے ہاتھ اُٹھائے۔ اس وقت ہم آسمان میں کوئی بادل کا ٹکڑا نہ دیکھتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ آپ نے ہاتھ چھوڑے نہ تھے کہ بادل پہاڑوں کی مانند اُمنڈ پڑے۔

۳ اُنگلیوں سے پانی پھُوٹنا

عن جابر قال عطش الناس یوم الحدیبیة ورسول الله صلّی الله علیه وسلّم بین یدیه رکوة فتوضأ منها

ثم اقبل الناس نحوه قالوا ليس عندنا ماء نتوضأ به ونشرب الا ما فی رکوتك فوضع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یدہ فی الرکوۃ فجعل الماء یفور من بین اصابعہ کامثال العیون ... الخ (مشکوٰۃ، ص ۵۳۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے موقع پر (پانی ختم ہونے کے باعث) لوگ پیاسے ہوئے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے ایک چھاگل تھی۔ آپ نے اس سے وضو کیا۔ پھر لوگ آپ کے پاس آئے اور بتایا کہ ہمارے پاس پانی نہیں ہے کہ ہم اس سے وضو کریں اور اس کو پیئیں۔ بس جو ہے وہ آپ کی چھاگل میں ہے تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے چھاگل میں اپنا ہاتھ ڈالا اور پانی آپ کی انگلیوں سے چشموں کی مانند پھوٹنے لگا۔

دیکھیے اس قصہ میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تنگی کے وقت میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے آکر کسی خرقِ عادت کام کا مطالبہ نہیں کیا، بلکہ آپ کے سامنے محض اپنی پریشانی کا ذکر کیا اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ باقی یہ کہ اللہ تعالیٰ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کیا صورت بناتے یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے طے کرنے کی بات نہیں تھی۔

(۴) کھانے کا زیادہ ہونا۔

عن ابی ھریرۃ قال لما کان یوم غزوۃ تبوك اصاب الناس مجاعۃ فقال عمر یا رسول اللّٰہ ادعھم بفضل ازوادھم ثم ادع اللّٰہ لھم علیھا بالبرکۃ فقال نعم فدعا بنطع فبسط ثم دعا بفضل ازوادھم فجعل الرجل یجیئ بکف ذرۃ ویجیئ الآخر بکف تمر ویجیئ الاخر بکسرۃ حتی اجتمع علی النطع شیئ یسیر فدعا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بالبرکۃ ... الخ (مشکوٰۃ، ص: ۵۳۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر لوگوں کو بھوک نے

آ لیا۔ حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ یا رسول اللہ آپ لوگوں سے اُن کا بچا کھچا زاد منگوا لیجئے پھر اللہ سے اُن کے لیے اس پر برکت کی دُعا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے آپ نے چمڑے کا ایک دستر خوان منگوایا جو بچھایا گیا۔ پھر آپ نے لوگوں کا بچا کھچا زاد منگوایا تو لوگ لانے لگے کوئی ایک مٹھی چینا کی کوئی ایک مٹھی چھواروں کی کوئی روٹی کے ٹکڑے کی یہاں تک کہ دستر خوان پر کچھ تھوڑا بہت جمع ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے برکت کے لیے دُعا فرمائی۔

⑤ قرض کی ادائیگی

عن جابر قال توفی ابی و علیہ دین فعرضتُ علی غرمائہ ان یاخذوا التمر بما علیہ فابوا فاتیت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فقلت قد علمتَ ان والدی استشھد یومَ احدٍ و ترک دینا کثیرا و انی احب ان یراک الغرماءُ فقال لی اذھب فبَیدِرُ کلَّ تمرٍ علٰی ناحیۃٍ ففعلت ثم دعوتہ فلما نظروا الیہ کانھم اغروا بی تلک الساعۃ فلما رأی ما یصنعون طاف حول اعظمھا بیدرا ثلاث مرات ثم جلس علیہ ثم قال ادع لی اصحابک فمازال یکیل لھم حتی ادّی اللہ عن والدی امانتہ ۔۔ الخ

مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اوّل)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد کی وفات ہوئی تو اُن پر قرض تھا۔ مَیں نے اُن کے قرض خواہوں کو پیش کش کی کہ وہ پُورے قرض کے بدلے میں کھجور کی کل پیداوار لے لیں لیکن وہ نہ مانے تو میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپ جانتے ہیں کہ میرے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ان پر بہت سا قرض تھا۔ مَیں یہ چاہتا ہوں کہ قرض خواہ آپ کو دیکھ لیں (اور میرے ساتھ رعایت کریں) آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور ہر قسم کی کھجور کی علیحدہ علیحدہ ڈھیری لگا دو۔ مَیں نے ایسا ہی کیا اور پھر آپ صلّی اللہ

علیہ وسلّم کو بُلایا۔ جب قرض خواہوں نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا تو وہ مجھ سے سختی سے مطالبہ کرنے لگے۔ جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو وہ کر رہے تھے دیکھا تو سب سے بڑی ڈھیری کے گرد تین بار چکر لگایا۔ پھر اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کو پیمائش کر کر کے دیتے گئے یہاں تک کہ اللہ نے میرے والد کا قرضہ اُتروا دیا۔

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ اس قصّہ میں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے آکر یُوں استغاثہ نہیں کیا کہ آپ میرا قرض اُتار دیجیے اور نہ ہی کسی خرق عادت کام کا مطالبہ کیا بلکہ فقط یُوں درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ چلیں شاید کہ قرض خواہ آپ کو دیکھ کر میرے ساتھ رعایت کا معاملہ فرمائیں۔ پھر جب سب قرض خواہوں کا قرض اُتر گیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حقیقتًا تو کیا مجازاً بھی یہ نہیں کہا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میرا قرض اُتار دیا بلکہ یُوں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرض اُتار دیا۔

○

اس بحث کے آخر میں ہم مصنّف کے مزید تین استدلالوں پر تنبیہ کرتے ہیں جو کہ اصلاح طلب ہیں۔

استدلال اوّل

مصنّف لکھتے ہیں۔

"اگر استغاثہ و توسل وغیرہ آپ کی حیاتِ مُبارکہ میں صحیح ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو سُن لو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسّلام اور دیگر اللہ کے نیک بندے رضی اللہ عنہم اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد آپ سے استغاثہ و توسل کی صحت کی دلیل فقیہ کے لیے صرف قیاس کافی ہے کہ وہ فقیہ حیاتِ طیبہ میں استغاثہ و توسل کی صحت پر قیاس کرلے کیونکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم حیی الدارین ہیں"

(اصلاح مفاہیم، ص: ۱۸۵)

تبصرہ، ہم کہتے ہیں کہ اوّل تو جس قسم کا استغاثہ اور توسل مصنّف ثابت کرنا چاہتے

ہیں وہ تو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ مُبارکہ میں بھی محتاجِ دلیل ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے تفصیل ذکر کی ہے وہ اہلِ سُنّت کے طریقے کے مخالف ہے تو اس پر قیاس کیوں کر صحیح ہوگا۔

علاوہ ازیں یہ کوئی فروعی عملی مسئلہ تو نہیں کہ جس میں قیاس جاری ہو سکے۔ یہ تو عقائد کی بات ہے اور اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ عقائد میں قیاس جاری نہیں ہوتا اور پھر قیاس بھی مع الفارق۔ یہ عالَم اور وہ عالَم اور دونوں کے احکام مختلف۔ خدارا کچھ تو سوچیے۔

استدلال ثانی

مصنّف لکھتے ہیں

"... اس کے ساتھ وہ حضرات یہ بخوبی جانتے تھے کہ حقیقۃً دینے والی اور روکنے والی اور باسط و رزاق ذات اللہ جل شانہ ہی ہے اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے حکم اور فضل سے عطا فرماتے تھے۔ اسی کو فرمایا انما انا قاسم واللہ یعطی

(ص: ۸۸، اصلاح مفاہیم)

تبصرہ، مصنّف نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ خود حدیث کا ایک ٹکڑا ہے اور مصنّف نے استدلال میں حد سے تجاوز کیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی۔	جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے سوائے اس کے نہیں کہ میں تو بانٹتا ہوں خدا تعالیٰ دیتا ہے

(مشکواۃ، ص: ۳۲)

مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔

محدثین کرام رحؒ نے یہ حدیث باب العلم اور باب الغنیمت وغیرہ میں پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ غنیمت اور علم وغیرہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور غنیمت کی تقسیم میں بھی آپؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ہر وقت پابند رہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت خولہ رضؓ

بنتِ حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے عرض کی کہ اگر طائف فتح ہو تو آپ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دے دیجیے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا، اگر خدا تعالیٰ اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہُوں؟ (اصابہ ج ۸ ص۸) اور شراح حدیث بھی یہی معنی بیان کرتے ہیں، چنانچہ نواب قطب الدین خان صاحبؒ مظاہر حق ج ا ص۸۷ میں لکھتے ہیں۔

یعنی میں حدیث وغیرہ بیان کر دیتا ہوں سمجھ اور فکر اور عمل اس پر جتنا باری تعالیٰ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

طبرانی میں یہ روایت مرفوعاً حضرت امیر معاویہؓ سے یُوں مروی ہے۔

انما انا مُبلّغٌ واللہ یھدی وانّما انا قاسم واللہ یعطی قال الشیخ حدیث صحیح (السراج المنیر ج ۲ ص۴۷)

سو بات یہ ہے کہ میں تو مبلّغ ہوں ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور میں تو صرف قاسم ہوں اور دیتا صرف اللہ تعالےٰ ہی ہے

علّامہ عزیزیؒ علّامہ منادی کے حوالہ سے اس کی شرح کرتے ہُوئے لکھتے ہیں۔

فلا تنکروا التفاضل ای کونی اُفضِّل بعضکم علیٰ بعض فانہ بامر اللہ او المراد اقسم العلم بینکم واللہ یعطی الفھم من یشاء۔ (شرح جامع الصغیر۔ ج ۲ ص۴۷)

یعنی اگر میں تم میں سے بعض کو کم اور بعض کو زیادہ دیتا ہوں تو یہ قابلِ انکار امر نہیں کیونکہ میں خدا تعالیٰ کے حکم سے ایسا کرتا ہوں یا اس کی مراد یہ ہے کہ میں تو تم میں علم تقسیم کرتا ہوں اور اس کی سمجھ جتنی خدا تعالیٰ چاہتا ہے دیتا ہے۔

اور علّامہ الحنفیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

اقسم بینکم ما امرنی اللہ بقسمتہٖ من اموال الغنائم ونحوھا وغیرھا کتبلیغ الاحکام (ھامش عزیزی ج ۲، ص۴۷)

میں تمہارے درمیان اموال غنائم اور تبلیغ احکام وغیرہ سے وہی کچھ تقسیم کرتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔

الغرض علمائے اُمّت بھی اس حدیث سے یہی کچھ سمجھتے ہیں کہ اس حدیث میں قاسم سے ہر چیز تقسیم کرنے والا مراد نہیں ہے بلکہ مالِ غنیمت علم اور احکام وغیرہ کی تقسیم مراد ہے۔

استدلال ثالث

ص۱۸۹ پر مصنف نے یہ عنوان باندھا "کیا غیر مقدور العبد چیز کا طلب کرنا شرک ہے" اور اس کے تحت استدلال کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

"قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا قول نقل کیا گیا ہے جو انھوں نے اپنے اہلِ مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ اس مجلس میں جن و انس دونوں موجود تھے۔

یا ایھا الملأ ایکم　　　اپنے درباروالوں سے۔ تم میں سے کوئی ہے

یاتینی بعرشھا قبل　　　کہ لے آوے میرے پاس اسکا تخت پہلے اس سے

ان یاتونی مسلمین　　　کہ وہ آئیں میرے پاس حکم بردار ہو کر۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے حاضرین مجلس سے شام میں فرمایا کہ ملک یمن سے تخت شاہی کو لائیں اور وہ بھی غیر معمولی طریقے سے تاکہ یہ بلقیس کے ایمان لانے کا سبب بنے۔ اور جب اس بڑے جن نے کہا۔

انا آتیك به قبل ان تقوم من مقامك۔ میں لائے دیتا ہوں وہ آپ کو پہلے اس سے کہ آپ اُٹھیں اپنی جگہ سے۔

یعنی چند ساعت میں لاتا ہوں تو حضرت سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں تو انسانوں میں سے اس آدمی نے جو کتاب کے عالم تھے اُن کا شمار صدیقین میں سے تھا وہ فرمانے لگے۔

انا آتیك به قبل ان یرتد　　　میں لے آتا ہوں آپ کے آنکھ جھپکنے سے

الیك طرفك　　　پہلے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا ہی چاہتا ہوں، چنانچہ اس آدمی نے دُعا کی اور تخت اسی وقت حاضر ہو گیا۔ ہاں یہ تخت کو اس طریقہ پر لانا انسان یا جنات کی قدرت سے باہر ہے اللہ کے علاوہ کوئی اس پر قادر نہیں۔ یہ جانتے ہوتے بھی حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اپنے اہلِ مجلس سے اس کا تقاضا کیا اور صدیقیت کے درجے پر فائز اس بندے نے حامی بھر لی کہ میں کر دوں گا، تو کیا اس طلب کرنے کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السّلام کافر ہو گئے؟ العیاذ باللہ اور وہ

اللہ کے ولی جواب دے کر مشرک بن گئے؟ حاشا و کلا ہرگز ایسا نہیں ہوا بلکہ اس جگہ دونوں کے کلاموں میں فعل کی نسبت بطور مجاز عقلی کے ہے۔" (اصلاحِ مفاہیم ص۱۷۹)

تبصرہ

مصنّف نے عجیب استدلال کیا ہے ہم یہ بتا چکے ہیں کہ مصنّف اس بات کے قائل ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ نے تصرف کی قدرت دے رکھی ہے۔ مصنّف یا تو اپنے استدلال میں اسی کو بُنیاد بنا رہے ہیں یا پھر وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ مقام حاصل ہے اور اُن کو اس کا شعور بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی دُعا کو رَد نہیں کرتے اور لامحالہ ضرور ہی پورا کرتے ہیں۔ اسی لیے ان صاحب علم نے حاصل شُدہ قدرتِ تصرف یا مقام دُعا کے اعتماد پر یہ کہا کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے تخت کو لادیں گے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی انہی بُنیادوں کی بناء پر ایسا مطالبہ رکھا جو بقول مصنّف جن و انس کی قدرت سے باہر تھا

لیکن مصنف کا یہ استدلال اور اس استدلال کی بُنیادیں سب ہی حق کے خلاف ہیں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں وضاحت فرمائی ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطالبہ کی یہ نوعیت ہو کہ وہ جنوں کی قدرت سے بھی باہر ہو۔ پھر یا تو وہ نبی کا معجزہ تھا یا ولی کی کرامت تھی اور معجزہ ہو یا کرامت وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فعل و تصرف ہوتا ہے اور اس کا وقوع محض اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تقاضے پر ہوتا ہے کسی کی دُعا پر اس کا وقوع ضروری نہیں باقی صاحبِ علم کا یہ کہنا کہ میں اس کو لے آتا ہوں اور جزم کے ساتھ کہنا تو اگر وہ خود حضرت سلیمان علیہ السّلام تھے تو وحی کے بتلانے سے ایسا کہا اور اگر وہ صحابی و ولی تھے تو نبی کے بتلانے سے کیا ہوگا۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔

"تخت کا منگانا غالباً اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ میرا معجزہ بھی دیکھ لیں کیونکہ اتنا بڑا تخت اور پھر اس کا ایسے سخت پہروں میں اس طور پر یکایک آجانا کہ اطّلاع تک نہ ہو عادتِ بشریہ سے خارج ہے (دیکھیے مولانا تھانوی نے یہاں جن کا ذکر نہیں کیا) اگر تسخیر جن سے ہے تب بھی خود بخود مسخر ہو جانا خارق عادت ہے اور اگر بواسطہ کرامت کسی ولی اُمّت کے ہے تو

ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہے اور اگر بلاواسطہ ہے تو براہِ راست معجزہ ہے بہرحال ہر طور پر یہ اعجاز اور دلیلِ نبوّت ہے... بعض مفسرین نے یہ قول سلیمان علیہ السلام کا کہا ہے اور وجوہ متعددہ سے جو کہ کبیر میں مذکور ہیں۔ یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے... اور اس صورت میں سوال سلیمان علیہ السلام کا بطور امتحان اور اظہار عجز جنات کے ہوگا اور یہ غرض تقدیر اوّل (یعنی یہ کہ صاحب علم صحابی ہوں) پر بھی ہوسکتی ہے کہ آپ کو معلوم ہو کہ اس صحابی سے یہ کرامت صادر ہوگی اور سوال کرنا جنات کو سُنانا اور دکھلانا ہو کہ جو قوّت میرے مستفیدین میں ہے وہ تم میں بھی نہیں۔"

خاتمہ

کتاب 'اصلاح مفاہیم' پر ناشرین کی جانب سے مطلوبہ تبصرہ میں ہم نے اس کتاب میں موجود بہت سی اغلاط کی نشاندہی کی اور اُن کے غلط ہونے کو دلائل سے ثابت کیا اور یہ سب کچھ المستشار مؤتمن اور الدین النصیحۃ کے تحت کیا۔ کوئی بھی شخص ہماری کسی بھی بات کو دلائل سے غلط ثابت کرے تو انوارِ مدینہ کے صفحات اسکے لیے حاضر ہیں۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ مترجم و ناشرین حضرات مصنف کی اغلاط کو محسوس کرتے ہوئے مصنف کی بھی اصلاح کی کوشش فرمائیں گے اور خود بھی ان سے بچیں گے۔ وما علینا الا البلاغ

اِس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اَجر اور اسکے اِستحکام، بقاء، اور ترقی کا باعث ہوگا۔

★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنائیے۔
★ اِس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے۔
★ اِس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے۔

انوارِ مدینہ

اصلاحِ مفاہیم کی ایک تقریظ پر تائیدی دستخط سے رجوع

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ سیالکوٹ کے مہتمم مولانا حکیم محمد عبد الواحد صاحب، ڈاکٹر عبد الواحد صاحب کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

آج سے تقریباً سات سال قبل لاہور میں علماء کے ایک اجلاس میں ہماری ایک واجب الاحترام شخصیت نے جن کے ساتھ سیّد محمد علوی مالکی صاحب کے دیرینہ تعلّقات چلے آرہے ہیں، وہ اُس وقت کی مجلس کے مہمان خصوصی تھے، چنانچہ سیّد محمّد علوی مالکی کا بہترین الفاظ وانداز میں تعارف کرایا گیا اور صاحبِ مجلس نے کتاب اور صاحبِ کتاب کے بارے تفصیلات بتائیں، جس کے بعد محض خوش فہمی اور صرف حُسنِ ظن کے پیشِ نظر بلا مطالعہ کیے صاحبِ مجلس پر اعتماد کرتے ہوتے میں نے بھی تائیدی دستخط ثبت کر دیے،

آج میری نظر سے محترم المقام حضرت نفیس شاہ صاحب دامت برکاتہم کی اپنی تقریظ سے رجوع فرمانے کی تصریحات گذریں مجھے قبلہ شاہ صاحب مدّظلہ العالی کی رجوع کے سلسلے میں بیان کی گئی تفصیلات سے مکمل اتفاق ہے، چونکہ میں بھی تائیدی دستخط کرنے کا قصوروار ہوں، اس لیئے میں بھی اس سے رجوع کرنے کا اعلان کرتا ہوں اور واضح کرتا ہوں کہ میرا مسلک "اَلْمُهَنَّدُ عَلَى الْمُفَنَّدْ" کے مطابق ہے، جو اکابرِ علماء دیوبند رحمہم اللہ کی تائیدی وتصدیقی دستاویز ہے، نیز یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ حضراتِ علماء دیوبند اہل السنّت والجماعت کی تحقیقات سے متعارض یا متصادم یا متقابل نظریات سے میرا بالواسطہ یا بلا واسطہ کوئی تعلّق نہیں ہے،

اَلْعَبْدُ الْعَاجِزْ

محمد عبد الواحد غفرلہٗ ولوالدیہ ولاخویہ السیالکوٹی

۲۰-۹-۹۴

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

قرشی

جوہر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوہر جوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیبِ استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوہر جوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوہر جوشاندہ
استعمال کریں۔

آسان استعمال
مؤثر علاج

قرشی
تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

ماں کی مامتا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "دو (چھوٹی بڑی) عورتیں اپنے اپنے بچّے کو لے کر جارہی تھیں کہ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور اُن میں سے ایک کے بچّے کو اُچک کر لے گیا۔ دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ بڑی کہنے لگی کہ تیرے بچّے کو لے گیا ہے چھوٹی کہنے لگی تیرے بچّے کو لے گیا ہے، دونوں نے یہ طے کیا کہ حضرت داود علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیصلہ کرواتے ہیں، چنانچہ وہ اُن کے پاس گئیں، آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ دے دیا، یہ دونوں یہاں سے چلیں تو راستے میں حضرت سلیمان علیہ السّلام کے پاس سے اِن کا گزر ہوا اُنھوں نے اِن سے پُوچھا کہ تمہارے درمیان کیا فیصلہ ہوا؟ ان میں سے ایک (چھوٹی) بولی کہ بڑی کے حق میں فیصلہ صادر ہو گیا ہے، (آپ معاملہ کو بھانپ گئے اور) فرمایا چھری لاؤ میں اس بچّے کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں چھوٹی بولی خدا کے لیے ایسا نہ کیجیے یہ بچہ بڑی کو ہی دے دیجیے، (جناب سلیمان علیہ السلام چھوٹی عورت کی یہ حالت دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ بچّہ اُسی کا ہے) چنانچہ آپ نے چھوٹی کی حق میں فیصلہ دے دیا اور بچّہ اسے دلوا دیا"۔[1]

باپ کی شفقت اور ایثار

بابر نے ابراہیم لودی پر پانی پت کے میدان میں ٩١٠ھ میں فتح پا کر آگرہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا تو اس نے یہاں حکومت کر کے اپنی سلطنت کے حدود کو ہندوستان کے پچھم میں بھیرہ پورب میں بہار، اتر میں ہمالیہ اور دکھن میں چندیری تک بڑھایا

---

[1] نسائی عربی ج ٢، ص ٢٦١۔

ہندوستان میں اس کی حکومت پانچ سال پانچ روز تک رہی اور یکایک جس طرح وفات پا گیا وہ باپ بیٹے کی محبّت کی ایک بہت ہی پُر کیف داستان ہے اُس نے اپنی وفات سے کچھ روز پہلے اپنے بڑے لڑکے ہمایوں کو سنبھل بھیجا وہاں سے اُس کی علالت کی خبر آئی، اس کی علالت کی طوالت سے بابر بے حد پریشان ہُوا، اور آخر میں جس طرح اپنی جان قربان کی اس کی داستان کچھ اس کی لڑکی گلبدن بیگم اور کچھ ابوالفضل کی زبانی سُنیے، گلبدن بیگم ہمایوں کی سوتیلی بہن تھی، لیکن وہ ہمایوں کی ماں کو اپنی ہی ماں کے برابر سمجھتی رہی، وہ اُس کو حضرت بیگم اور آکام کے نام سے یاد کرتی ہے، گلبدن بیگم لکھتی ہے۔

اس اثنا میں دہلی سے مولانا محمد فرغلی کا ایک عریضہ آیا جس میں لکھا تھا کہ ہمایوں میرزا بیمار ہیں اور اُن کا عجب حال ہوگیا ہے، اس خبر کو سُن کر حضرت بیگم جلد از جلد دہلی آجائیں کہ مرزا بہت بیقرار ہیں یہ معلوم کرکے حضرت آکام بہت بے چین ہوگئیں، اس طرح جیسے پانی کے بغیر کوئی پیاسا ہو وہ دہلی روانہ ہوگئیں، دونوں کی ملاقات متھرا میں ہوگئی جیسا کہ سُنا تھا اس سے دس گنا زیادہ ہمایوں میرزا کمزور اور مجہول نظر آئے وہاں سے دونوں یعنی ماں اور بیٹے مریم اور عیسیٰ کی طرح آگرہ کی طرف روانہ ہُوئے اور جب وہ آگرہ پہنچے تو یہ حقیر اپنی بہنوں کے ساتھ حضرت فرشتہ خصال کی خدمت میں حاضر ہُوئی وہ زیادہ سے زیادہ کمزور ہو رہے تھے لیکن اس پر بھی جب بیہوشی سے ہوش میں آجاتے تو اپنی زبان درفشاں سے ہم لوگوں کے بارے میں پُوچھتے اور فرماتے، بہنو! خوش آمدید! آؤ تم کو گلے لگائیں، اَب تک تو تم کو گلے نہیں لگایا ہے، تین مرتبہ سر اُٹھا کر اپنی زبان گوہر افشاں سے یہی کہہ کر سرفراز کیا اور جب حضرت بادشاہ (یعنی بابر) آتے اور اُنھوں نے بیماری کا حال معلوم کیا اور اُن کو دیکھا، تو اُن کا چہرہ نور افشاں کلفت سے بھر گیا اور اُن پر رقت طاری ہو گئی اور زیادہ سے زیادہ پریشانی ظاہر کرنے لگے، اس اثنا میں حضرت آکام نے کہا، آپ میرے لڑکے سے غافل ہیں، آپ بادشاہ ہیں، آپ کو کیا غم ہے، آپ کے اور دوسرے لڑکے بھی ہیں، مجھ کو غم یہی ہے کہ یہ میرا اکلوتا لڑکا ہے حضرت بادشاہ نے جواب دیا، "تاہم! اگرچہ میرے اور بھی لڑکے ہیں، لیکن کسی کو تمہارے ہمایوں کے برابر محبوب نہیں رکھتا، یہ سلطنت یہ بادشاہت اور یہ روشن دُنیا صرف اس یگانہ جہاں نادرہ دوراں، کامگار برخوردار فرزند دلبند ہمایوں کے لیے چاہتا ہوں نہ کہ دوسروں کے لیے"۔

اس کے بعد کی تفصیل ابوالفضل کی زبانی سُنیے۔

حضرت جہانبانی (ہمایوں) کے معالجہ کی تمام تدبیریں کی گئیں لیکن مزاج صحت کی طرف رجوع نہ ہُوا جب مرض طویل ہوگیا تو ایک دن حضرت بادشاہ جمنا کے کنارے دانایانِ عصر کے ساتھ بیٹھے علاج کی تدبیریں سوچ رہے تھے، میر ابوالبقا بڑے افاضلِ روزگار میں تھے، اُنھوں نے عرض کیا کہ پہلے زمانہ کے عقلمندوں نے بتایا کہ ایسی حالت میں جبکہ اطبا علاج سے عاجز ہورہے ہوں تو پھر دوسری تدبیر یہ ہے کہ بہترین چیزیں صدقہ میں دی جائیں تاکہ درگاہِ الٰہی سے صحت ہوجائے، حضرت بادشاہ نے فرمایا کہ ہمایوں کے نزدیک میں ہی بہترین چیز ہوں اور وہ مجھ سے زیادہ اور کوئی چیز قیمتی نہیں رکھتا ہے مَیں خود ہی اس کے لیے فدا ہوجاؤنگا، ایزدجہاں آفریں قبول کریں، خواجہ خلیفہ اور دوسرے مقربانِ بساط نے عرض کیا کہ وہ (یعنی ہمایوں) عنایت الٰہی سے جلد شفا پائیں گے اور آپ کے سایہ دولت میں اپنی عمر طبعی کو پہنچیں گے۔ ایسی بات اپنی زبان اقدس پہ نہ لائیں، پہلے زمانہ کے بزرگوں نے جو کچھ کہا ہے اس کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بہترین مالِ دُنیا تصدق کیا جائے، وہ بیش قیمت ہیرا[ے] جو غیبی طور پر ابراہیم کی جنگ میں ہاتھ آگیا، اور جس کو آپ نے ان (ہمایوں) کو دے دیا، صدقہ کرنا چاہیے، فرمایا مالِ دُنیا کیا وقعت رکھتا ہے جو ہمایوں کا بدلہ ہوسکے، اپنے کو میں فدا کرتا ہوں کہ اس پر سخت وقت آپڑا ہے۔ اب میری طاقت سے باہر ہے کہ اُس کی بے چینی کو دیکھوں اس کے بعد وہ خلوتِ مناجات میں گئے اور خاص عبادت کی جو ایسے پاک طبقہ والوں کے لیے مناسب ہوتی ہے اور تین بار حضرت جہانبانی جنت آشیانی (ہمایوں) کے گرد چکر لگایا، جب اُن کی دُعاؤں کو اجابت کی عزت حاصل ہوگئی تو انھوں نے گرانی محسوس کی اور فرمایا

بر داشتیم، بر داشتیم

فوراً اُن کو عجیب قسم کا بخار آگیا، حضرت جہانبانی (ہمایوں) کے مرض میں کمی ہونے لگی اور تھوڑی مدت میں صحّتِ کامل ہوگئی اور حضرت بادشاہ کی بیماری روز بروز بڑھتی گئی اور اختلال مزاج زیادہ ہوتا گیا... یہاں تک کہ ۶ رجمادی الاوّل ۹۳۷ھ کو چار باغ میں جو جمنا کے کنارے سرسبز ہو کر

ے یہ تقریباً ۳ تولہ کا تھا جوہریوں کا خیال تھا کہ ساری دُنیا کی ایک دن کی آمدنی کے برابر اس کی قیمت ہے (تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۵۹۵)

بہار اقبال بنا ہوا تھا، اس عالم بے وفا سے رُخصت ہوتے، (تفصیل کے لیے ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص ... ؟ و اکبر نامہ از ابو الفضل جلد اوّل ص ۱۱۷ - ۱۱۶)[۱]

اولاد کی بڑی سے بڑی خدمت بھی ماں کی ذرا سی مشقت کا بدل نہیں بن سکتی

علّامہ شہاب الدین احمد قلیوبی شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں "حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک بزرگ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک بوڑھی عورت کو (کندھے پر) اُٹھائے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ بزرگ نے اس شخص سے عورت کے متعلّق استفسار کیا تو اُس نے بتلایا کہ یہ میری ماں ہے اور میں سات برس سے اسی طرح اُٹھائے ہوئے ہوں، میرے آقا یہ بتلایئے کہ کیا میں نے اس کا حق ادا کر دیا ہے؟ وہ بزرگ بولے کہ نہیں ہرگز نہیں، اگر تمہاری عمر ہزار برس بھی ہو جائے اور تم اسے اسی طرح اُٹھائے رہو تو تمہارا یہ اُٹھانا اُن راتوں میں سے ایک رات کے برابر بھی نہیں ہو سکتا جن میں تمہاری والدہ تمہیں گود میں لے کر کھڑی رہی تھی اور تمہیں اپنے پستانوں سے دُودھ پلایا تھا وہ شخص یہ سُن کر رو دیا اور چلا گیا۔"[۲]

انوارِ مدینہ

نہ پہنچنے یا تاخیر سے پہنچنے کی شکایت حافظ محمد یعقوب صاحب خادم "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے کی جائے، خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ (ادارہ)

---

[۱] ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں، ج ۲، ص ۱۳ تا ۱۶

[۲] قلیوبی عربی ص: ۱۲۱ -